مواعظ حکیم الامت
اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

جنوری ۲۰۰۳ء	سلسلہ تبلیغ نمبر 100	شوال/ذی القعدہ ۱۴۲۳ھ

الوقت
(وقت کے حقوق)

جامعہ دار العلوم الاسلامیہ
291- کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

وعظ

﴿الوقت﴾

وقت کے حقوق کے متعلق یہ وعظ ۲۱ رجب ۱۳۳۱ھ کو جامع مسجد تھانہ بھون میں ہوا جو ساڑھے تین گھنٹہ میں ختم ہوا۔ حضرتؒ نے بیٹھ کر بیان فرمایا۔ سامعین کی تعداد تین سو تھی۔ یہ وعظ عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے قلمبند کیا

وعظ

ملقب بہ

الوقت

وقت کے حقوق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ نَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ(۱)۔

ترجمہ: یعنی قسم ہے زمانہ کی کہ انسان بڑے خسارے (۲) میں ہے مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اور ایک دوسرے کو اعتقاد پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہے اور ایک دوسرے کو پابندی اعمال کی فہمائش کرتے رہے۔

---

(۱) سورۃ العصر پ ۳۰ (۲) نقصان

تمہید

یہ ایک سورت چھوٹی سی ہے، گو الفاظ اس کے کم ہیں مگر اس میں مضمون بہت ضروری اور عام ضرورت کا ہے۔ اور وہ مضمون وقت کے متعلق ہے اور جیسا کہ عام ضرورت کا ہے ویسا ہی جامع بھی ہے۔ اور جامع معنی کا ہے کہ کوئی عمل اور کوئی حالت انسان کی ایسی نہیں جو کسی وقت میں نہ ہو اور اس وقت کے متعلق کوئی خاص حکم نہ ہو اس واسطے اس وقت اس کو اختیار کیا گیا۔ حق جل شانہ نے اس سورت کو شروع کیا ہے ایک قسم کیساتھ، آگے اس کے جواب قسم ہے اور قسم کھائی ہے ایک ایسی چیز کی جس کی کوئی وقعت بھی عام قلوب (۱) میں نہیں اس کی طرف کوئی خاص التفات (۲) بھی نہیں مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے جو مخلوق کی قسم کھائی ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جو نہایت قابل التفات (۳) اور مہتم بالشان (۴) ہیں اب رہا یہ کہ حق تعالیٰ نے اپنی قسم کو چھوڑ کر مخلوق کی قسم کیوں کھائی یہ ایک نہایت عجیب اور حل طلب سوال ہے۔ سو ہم مختصراً یہ کہیں گے کہ خدا کو اختیار ہے جو جی چاہے کرے۔ آپ کون ہوتے ہیں؟ ہاں اگر کوئی اس سوال کو یوں بدل کر کہے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں غیر مخلوق کی قسم کھانے سے کیوں ممانعت (۵) کی ہے؟ ممانعت تو اس چیز سے ہوا کرتی ہے جو بری ہو اور جو شے (۶) بری ہو حق تعالیٰ سے اس کا صدور (۷) کیسے ہو سکتا ہے۔ البتہ اس عنوان سے سوال ہو سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ بعض چیزوں کا قبح (۸) بعینہ (یعنی اپنی ذات کے اعتبار سے) ہوتا ہے اور بعض کا لغیرہ (یعنی غیر کے اعتبار سے) ہوتا ہے اور جو چیزیں قبیح بعینہ ہیں مثلاً زنا سرقہ (۹) وغیرہ ان کی اجازت کسی کو نہیں ہو سکتی۔ اور ان کا صدور حکیم (۱۰) سے بھی

---

(۱) عام دلوں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں (۲) توجہ (۳) قابل توجہ (۴) بڑی عظمت کی حامل (۵) کیوں روکا (۶) چیز (۷) اللہ اس کو کیسے کر سکتے ہیں (۸) برائی۔ (۹) چوری (۱۰) ان کا ارتکاب حکیم (دانا) سے بھی نہیں ہو سکتا۔

نہیں ہوسکتا۔ اور بعض چیزیں قبیح لغیرہ(۱) ہیں یعنی ان میں کوئی خاص مفسدہ ہے اور اجازت سے جب وہ مرتفع ہوجائے گا۔ قبیح بھی مرتفع(۲) ہوجائے گا۔

اذانِ جمعہ کے بعد ممنوع افعال

اس کی ایک مثال سمجھ لیجئے کہ مثلاً اذانِ جمعہ کے وقت بیع وشراء (یعنی خرید و فروخت) کرنا کہ اگر جمعہ کی طرف چلتے ہوئے راہ میں بیع وشراء کریں تو جائز ہے مگر افسوس ہمارے قصبہ میں عین جمعہ ہی کے وقت بازار لگتا ہے۔ شاید یہ کسی بوڑھے کی اچھی ہی نیت ہے کہ گاؤں والے لوگ بھی آکر جمعہ کی نماز میں شریک ہوسکیں گے۔ حفظت شیئاً وغابت عنك اشیاء (ترجمہ: ایک چیز کا تو خیال کیا اور بہت سی چیزوں کو نظر انداز کر دیا ۱۲) ایک چیز کا تو خیال کرلیا کہ نماز جمعہ میں شریک ہوسکیں گے مگر اس کا خیال نہ کیا کہ جب تک وہ گاؤں میں ہیں اس وقت تک ان پر جمعہ واجب نہیں اگر جمعہ پڑھنے کے لئے یہاں نہ آئے تو کچھ حرج نہیں اور جب یہاں آگئے تو ان پر جمعہ واجب ہوگیا اب اگر نہ پڑھیں گے تو گنہگار ہوں گے اور اذانِ جمعہ کے وقت بیع وشراً (خرید وفروخت) کرنا بھی حرام ہے۔ اس حرام میں بھی مبتلا ہوں گے۔ خیر اہل علم تو اس مسئلہ کو خوب جانتے ہیں مگر ایک شخص نے مجھ سے ایک اور مسئلہ اس کے متعلق پوچھا کہ کیا اذان جمعہ کے بعد کھانا پینا بھی حرام ہے؟ سو اس مسئلہ پر کسی کو التفات نہیں حالانکہ وہ بھی حرام ہے جس کے بعد اہل علم اس پر ناز نہ کریں کہ ہم کو بیع وشراء سے سابقہ ہی نہیں پڑتا۔ اس لئے ہم اس آیت کے خلاف سے محفوظ ہیں میں کہتا ہوں کہ اذان جمعہ کے بعد جیسے بیع وشراء(۳) حرام ہے ویسا ہی کتاب دیکھنا بھی

---

(۱) بعض کی بُرائی غیر کی وجہ سے ہے (۲) اس میں خاص خرابی ہے جس کی وجہ سے اجازت نہیں وہ خرابی ختم ہوجائے تو اجازت ہے (۳) خرید وفروخت۔

حرام ہے۔ پڑھنا پڑھانا بھی حرام ہے۔ رہا یہ کہ بعض اہل علم کو شاید شبہ ہو کہ قرآن میں تو وذروا البیع (خرید وفروخت ترک کردو) آیا ہے وذروا القراءۃ (پڑھنا ترک کردو) تو نہیں آیا ہے تو جناب فقہاء نے لکھ دیا ہے کہ تخصیص جریا علی العادۃ (یعنی بیع کی تخصیص قرآن پاک میں بیع کی عادت پڑنے کی وجہ سے ہے ۱۲) ورنہ حکم میں تخصیص(۱) نہیں حکم عام ہے۔ بیع صرف اس لئے حرام ہے مخل سعی جمعہ ہے۔ تو جو چیز مخل سعی جمعہ ہوگی وہ حرام ہے۔ ہاں جب یہ مانع مرتفع ہو جائے گا حرمت بھی مرتفع ہو جائے گی۔ مثلاً دو شخص چلتے چلتے ایک قلمدان کی بیع کریں تو چونکہ یہ بیع مخل سعی نہیں ہے اس لئے حرام بھی نہ ہوگی یہ قبیح لغیرہ (غیر کے اعتبار سے قبیح(۲)) کہلاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا مخلوقات کی قسم کھانے کی وجوہ

اب سمجھئے کہ مخلوق کی قسم قبیح لغیرہ ہے قبیح لعینہ نہیں(۳) وہ قباحت عارضی ایسی ہے کہ اگر مخلوق مخلوق کی قسم کھائے تو قباحت ہے(۴) اور اگر خالق مخلوق کی قسم کھائے قباحت نہیں۔ اور وہ شرک اور ایہام شرک(۵) ہے اس طرح سے کہ اس میں شبہ ہوتا ہے تعظیم مخلوق کا۔ کیونکہ عادۃً قسم معظم چیز کی کھائی جاتی ہے اسی لئے ممانعت ہوگئی ہے قسم کھانے کی۔ جیسے بعض مشرکین قسم کھاتے ہیں دریاؤں کی پہاڑوں کی۔ مقصود ان کا یہ ہوتا ہے کہ اتنی بڑی چیز کا نام لے کر جھوٹ نہیں بولیں گے اس میں ایہام شرک(۶) ہے اور ایہام شرک کا شبہ اسی میں ہوسکتا ہے جو خود چھوٹا ہو۔ اور اس سے دوسری چیز بڑی ہو اور خداوند جل جلالہ چونکہ سب سے بڑا ہے اس لئے اس میں یہ شبہ نہیں ہوسکتا۔ چونکہ اس

---

(۱) یعنی ہر وہ کام جو جمعہ کی سعی سے رکاوٹ بنے حرام ہے (۲) بری (۳) مخلوق کی قسم کھانے میں برائی غیر کے اعتبار سے ہے اس کی ذات کے اعتبار سے نہیں (۴) برائی ہے (۵) شبہ شرک (۶) شرک کا وہم

میں ایہام شرک نہیں اس لئے وہ عارضی قبح(۱) اس میں نہیں۔

ایک سوال اور رہ گیا کہ قباحت تو لازم نہیں آتی مگر اپنی قسم چھوڑ کر چھوٹی شے کی قسم کیوں کھائی۔ بات یہ ہے کہ قسم سے تین غرضیں ہوتی ہیں۔ غالب تو یہ کہ کسی شے کو معظم(۲) بتلانا۔ اور گمان کرنا کہ اگر ہم اس کا نام لے کر جھوٹ بولیں تو ہم پر اس کا وبال ہوگا۔ دوسری غرض یہ کہ اس مقسم بہ (جس کے ساتھ قسم کھائی گئی ہے) کا اپنے سے خاص تعلق اگر جھوٹ بولیں تو ہمارے منافع اس سے منقطع ہو جائیں۔ مثلاً بیٹے کی قسم۔ تیسری غرض یہ کہ مقسم بہ کا کثیر النفع(۳) ہونا فی نفسہ بیان کرنا مقصود ہے کہ بڑے کام آتی ہے۔ ہر چند کہ مخلوق کی قسم کھانے سے تینوں احتمال ہو سکتے ہیں۔ مگر شریعت میں بہت احتیاط کی گئی ہے کہ شبہ شرک تو ہر جگہ ہوتا ہی ہے، رہا۔ خداوند جل جلالہ جو کسی مخلوق کی قسم کھاتے ہیں اس کی حکمت کیا ہے یا بلفظ دیگر آجکل کی مخترع (من گھڑت) اصطلاح کے موفق یوں کہئے کہ اس کی فلاسفی کیا ہے وہ یہ کہ پہلی اور دوسری غرض تو وہاں ہے نہیں لیکن تیسری غرض یعنی حکمت مذکورہ ہے اور غرض کی تفسیر حکمت سے اسلئے کہ حق تعالیٰ کو کسی کی کیا غرض ہوتی غرض تو مخلوق کو ہوا کرتی ہے وہاں حکمت ہوا کرتی ہے۔

من نہ کردم خلق تا سودے کنم بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

یعنی ہم نے اس لئے مخلوق کو پیدا نہیں کیا کہ ہم اس سے نفع اٹھائیں یا اس سے ہمای کوئی غرض اٹکی ہوئی ہو بلکہ محض اس لئے کہ مخلوق پر احسان کریں۔ پس خداوند عزوجل جلالہ جس چیز کی قسم کھاتے ہیں اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اے سننے والو! یہ شے کثیر النفع(۴) ہے اسکی طرف التفات کرو اور اس سے منتفع ہو۔

---

(۱) عارضی قباحت (۲) کسی چیز کی بڑائی ظاہر کرنا (۳) جس چیز کی قسم کھائی جارہی ہے اس کے متعلق یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ بہت فائدہ مند ہے۔ (۴) یہ چیز بہت فائدہ مند ہے

مفسدہ کا احتمال تو پہلے ہی دفع ہو چکا تھا اب مصلحت کا سوال بھی ختم ہو چکا

خداوند جل جلالہ نے بہت کثرت سے مخلوق کی قسم کھائی ہے مثلاً "لا اقسم بیوم القیمۃ ولا اقسم بالنفس اللوامۃ" (قسم کھاتا ہوں میں قیامت کے دن کی اور قسم کھاتا ہوں میں ایسے نفس کی جو اپنے اوپر ملامت کرے) "والعصفت عصفا" یعنی قسم ہے ان ہواؤں کی جو تندی کیساتھ چلتی ہیں) والفجر قسم ہے فجر کی والشمس قسم ہے سورج کی ہر جگہ یہی مراد ہے کہ یہ اشیاء کثیر النفع ہیں ان کی جانب التفات(۱) کرو۔

قسم جواب قسم کی دلیل ہوتی ہے

اور حق تعالیٰ کے مخلوق کی قسم کھانے میں ایک راز خاص اور ہے وہ یہ کہ جس مقام پر قسم کھائی ہے اس کے بعد ایک جواب قسم بھی ہوتا ہے تو غور کرنے سے معلوم ہوا کہ مقسم بہ(۲) جواب قسم کی جو ایک دعویٰ ہے بمنزلہ دلیل کے ہوتا ہے یعنی خداوند جل جلالہ نے جس چیز کی قسم کھائی ہے اس کے آگے جواب قسم سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ مقسم بہ اس دعویٰ کی دلیل ہے۔ اسے ایک مثال سے سمجھئے مثلاً فرماتے ہیں "والمرسلت عرفا الخ" قسم ہے ان ہواؤں کی جو نفع پہنچانے کیلئے بھیجی جاتی ہیں اس کے آگے فرماتے ہیں "انما توعدون لواقع" یعنی جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ضرور ہونے والا ہے قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ قیامت ضرور آنے والی ہے "والنزعت غرقا الخ" یعنی قسم ہے ان فرشتوں کی جو کافروں کی جان سختی سے نکالتے ہیں یہاں بھی قسم کھا کر فرماتے ہیں قیامت ضرور آنے والی ہے اور اسی طور پر جابجا قسمیں کھائی ہیں خاص خاص اشیاء کی۔

---

(۲) یہ فائدہ مند چیزیں ہیں ان کی طرف توجہ کرو (۳) جس کی قسم کھائی جائے۔

یہاں ایک دعویٰ ہے کہ قیامت ضرور آئے گی۔ اب اس کی دلیل کی ضرورت ہے مثلاً ہوا ہے کہ اس کے اندر ایک تعبیر بتلائی ہے اور ہوا ایک ایسی بڑی چیز ہے جو دم بھر میں بڑے بڑے پہاڑوں کو ہلا دیتی ہے جمے ہوئے درختوں کو اکھاڑ پھینکتی ہے کیا قدرت اور رحمت ہے جل جلالہ گو ہر وقت لاکھوں من ہوا ہمارے سر پر رہتی ہے کیونکہ جو آسمان وزمین کے درمیان خلا) میں تمام ہوا بھری ہوئی ہے جتنی جگہ ہمارے جسم سے رکی ہوئی ہے صرف وہ ہوا سے خالی ہے اور باقی تمام ہوا ہی ہوا ہے اور ہم کو محیط(۱) ہے اور ہم کچلتے نہیں، دبتے نہیں، مرتے نہیں تو اس تغیر سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا قادر ہے جو ہوا جیسی طاقتور چیزوں کو دم بھر میں الٹ پٹ کر دیتا ہے اس کو قیامت لانا کیا مشکل ہے یہاں منکرین کے پاس دو مقام ہیں ایک یہ کہ قیامت محال ہے اور یہ خیال تھا فلسفہ کا اس کے مقابلہ میں امکان ہے دوسرے یہ کہ کیا ضرور ہے کہ ہر ممکن واقع ہی ہوا کرے جائز ہے کہ کسی شے کا امکان تو ہے مگر وقوع اس کا مستبعد(۲) ہو اور یہ خیال تھا مشرکین عرب کا فلاسفہ کے مقابلہ میں تو امکان کا اثبات درکار ہے۔ اور وقوع استبعاد اثبات امکان کو مستلزم(۳) تھا اور فلاسفہ قلیل بھی تھے۔ اس لئے استقلالاً ان کے شبہ سے تعرض(۴) نہیں کیا اور عوام الناس زیادہ ہیں اس لئے انہیں کے مذاق کے موافق دلائل بیان کئے گئے ہیں۔ پس یہاں گفتگو ان لوگوں کے جواب میں ہے جو قیامت کو مستبعد(۵) سمجھتے ہیں۔ چنانچہ کہا کرتے تھے۔ کہ "ء اذا متنا و کنا ترابا" (یعنی کیا ہم جب مر جائیں گے اور ہو جائیں گے ہم مٹی) کیا ہماری ہڈیاں

---

(۱) گھیرے ہوئے ہے (۲) مگر اس کا واقع ہونا ممکن ہو (۳) جب یہ ثابت کر دیا کہ کسی چیز کا واقع ہونا ناممکن نہیں تو اس چیز کے واقع ہونے کا امکان خود بخود ثابت ہو گیا (۴) فلاسفہ کی تعداد چونکہ تھوڑی ہے اس لئے ان کے اس شبہ کا جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی (۵) جو قیامت کے واقع ہونے کو ناممکن سمجھتے ہیں۔

جب گل سڑ جائیں گی اور ہم بالکل خاک ہو چکیں گے اس وقت ہم پھر زندہ کئے جائیں گے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے قرآن مجید میں اسی استبعاد کو دفع کیا گیا ہے اور جا بجا مذکور ہے کہ خدا نے جب ابتداءً اپنی مخلوق کو پیدا کر دیا کہ اس وقت بظاہر زیادہ مشکل تھا۔ گو واقع میں خداوند جل جلالہ کو کچھ بھی مشکل نہیں تو اب دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ پس جہاں کہیں قرآن مجید میں قسمیں وارد ہوئی ہیں ان قسموں سے ان کے جواب کا استبعاد رفع (۱) ہوتا ہے کہ جو ہوا کو جو ایسی طاقتور ہے دم بھر میں الٹ پلٹ کر دیتا ہے اس کو کیا مشکل اور مستبعد (۲) ہے جو سب کو الٹ پلٹ کرے۔

قرآن میں مذکور قسموں کے احوال قابل تدبر و تفکر ہیں

بہر حال یہ راز تھا خداوند جل جلالہ کی قسموں کا اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ جن کی قسمیں کھائی ہیں ان کے احوال نہایت قابل تدبر و تفکر (۳) ہیں۔ گو بظاہر وہ کیسی ہی سرسری و معمولی ہوں جب حق تعالیٰ نے ان کی قسم کھائی ہے وہ ضرور قابل اہتمام ہیں۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں کہیں تو ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جو ظاہر میں باوقعت ہیں مثلاً والسماء قسم ہے آسمان کی والارض قسم ہے زمین کی اور کہیں ایسی چیزوں کی قسم کھائی جو بظاہر بے وقعت ہیں مثلاً والتین یعنی قسم ہے انجیر کی، مقصود یہاں بھی یہی کہ انجیر کثیر النفع شے ہے (۴)۔ اس کے منافع کی طرف التفات کرو اسی طرح یہاں فرمایا والعصر یعنی قسم ہے مرنہ کی زمانہ تو انجیر سے بھی نہایت کمتر ہے۔ انجیر جو ہر محسوس تو ہے زمانہ تو عرض غیر محسوس ہی ہے (۵) اسی وجہ سے متکلمین اور

---

(۱) قسم کھانے سے مقصود یہ ہے کہ جواب قسم میں جس بات کو بیان کیا گیا ہے وہ ناممکن الوقوع نہیں یہ قسم اس کے لئے بمنزل دلیل کے ہے (۲) کیا مشکل اور بعید ہے (۳) ان کے حالات میں غور و فکر کرنا چاہئے (۴) انجیر ایک ایسا پھل ہے جس کے بہت فوائد ہیں (۵) زمانے کو محسوس نہیں کیا جا سکتا

فلاسفہ میں زمانہ کی تحقیق میں اختلاف ہوا ہے فلاسفہ تو کہتے ہیں زمانہ فلک الافلاک کی حرکت کا نام ہے اور متکلمین اسے امتداد موہوم مانتے ہیں یعنی زمانہ ایک وہمی اور خیالی شے ہے سو گو وہ زمانہ محض موجود انتزاعی ہی ہو مگر ایک ایسی چیز جو قابل اہتمام ہے اس واسطے کہ اس کا تعلق ہے واقعات سے اور ان کے خاص آثار ہوتے ہیں اور وہ قابل اہتمام ہوا کرتے ہیں مگر چونکہ متلبس بالزماں ہیں اس لئے زمانہ بھی قابل قدر ہوا(۱) پس حق تعالیٰ اس زمانہ کی یا بلفظ دیگر وقت کی قسم کھاتے ہیں اور اس دوسرے عنوان کے اعتبار سے میرا یہ بیان صرف پرانے خیال والوں پر منطبق نہ ہوگا بلکہ نئے خیال والوں کے مذاق کے بھی موافق ہوگا یعنی وقت کیسی باوقعت چیز ہے نئے خیال والوں کو میرا ممنون ہونا چاہئے۔ کہ میں نے وقت کے باوقعت ہونے کو قرآن سے ثابت کر دیا۔لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ اہل یورپ وقت کی بہت قدر کرتے ہیں اور اہل اسلام کے یہاں وقت کی قدر نہیں میں کہتا ہوں بڑی قدر ہے اگر نہ ہوتی تو قرآن مجید میں وقت کی قدر قسم کیوں مذکور ہوتی۔

مگر ہم لوگوں نے تو بالکل اسلام پر عمل کرنا ہی چھوڑ دیا۔ذرا آنکھ اٹھا کے بھی نہیں دیکھتے کہ اس میں کیا کیا خوبیاں ہیں اور کیسی عمدہ تعلیم ہے اور جو خوبیاں اہل یورپ میں کہی جاتی ہیں وہ دراصل انہوں نے اسلام ہی سے لی ہیں اور ہم اپنے یہاں غور نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ یہ انہیں کی ملک ہیں۔ہاں اس معنی میں انہیں کی ملک ہیں جیسا کہ کاشتکار بارہ برس تک اگر زمیندار کی زمین پر قابض رہے تو قانون ہے کہ

(۱)زمانے کی تعریف میں اگرچہ فلاسفہ اور متکلمین کا اختلاف ہے لیکن تمام واقعات چونکہ زمانہ ہی میں وقوع پذیر ہوتے ہیں جس پر اچھے برے آثار بھی مرتب ہوتے ہیں جو قابل اہتمام ہیں تو جس میں یہ واقع ہو رہے ہیں یعنی زمانہ وہ بھی قابل اہتمام ہوا۔

موروثی ہو کر کاشت بمنزلہ ملک سمجھی جاتی ہے(۱) اسی طرح اہل یورپ نے عرصہ سے ان خوبیوں پر قبضہ کر کے ان کو اپنا دستور العمل بنالیا تو ہم یہ سمجھنے لگے کہ یہ موروثی ہو کر انہیں کی ملک ہو گئیں۔

ڈارون کے نظریہ کا ابطال

نہایت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہا آجکل اہل یورپ کی تقلید کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ اگر ان کے منہ سے کوئی بات نکلے اور قرآن میں اس کے خلاف ہو تو اہل یورپ کے قول کا یقین کر لیا جاتا ہے اور قرآن پر خلاف واقع ہونے کا شبہ کیا جاتا ہے کتنے افسوس کی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ انسان کی اصل انسان ہے اور ڈارون جو ایک ملحد (۲) ہے وہ کہے کہ سب سے پہلے ایک مادہ مطلقہ موجود تھا اور پھر تحرک (۳) سے اس میں حرارت پیدا ہوئی۔ اور شمس وغیرہ بنا اور اس کے بعد پھر نباتات (۴) بنے پھر حیوانات (۵) بنے ان میں بندر بنا، یکا یک جست (۶) کر کے انسان بن گیا۔ اسی طور پر وہ تمام حیوانات نباتات ہیں۔ وہ اسی کا قائل ہے کہ تمام چیزیں ایک دوسرے سے نکلتی چلی آئیں تو محمد ﷺ کے فرمانے پر تو شبہ کیا جاتا ہے اور ڈارون کے کہنے پر یقین کر لیا جاتا ہے یہی ایمان ہے؟ ڈارون تو صانع کا (۷) قائل نہیں تھا اس لئے ایسی بعید اور بے ہودہ تاویلیں کرتا تھا۔ مگر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ صانع (۸) کو مانتے ہیں اور پھر ایسی مہمل تاویلوں سے قرآن پر شبہ کرتے ہیں۔

---

(۱) جیسے حکومت ہندوستان کا قانون تھا کہ جب کسی زمینہ ار کی زمین پر کوئی بارہ سال کاشت کر لے تو وہ موروثی ہو کر اس کی ملک بھی جاتی تھی لیکن شریعت میں یہ جائز نہیں۔ زمین مالک کی ملک ہی رہے گی چاہے کتنے ہی عرصہ کوئی کاشت کرے (۲) بے دین (۳) حرکت سے اس میں گرمی پیدا ہو کر سورج وغیرہ بنے (۴) پودے: درخت وغیرہ۔ (۵) جانور (۶) اچانک بندر ترقی کر کے انسان بن گیا (۷) بنانے والے اللہ کا قائل نہیں (۸) خدا۔

زمین اور سورج کی حرکت کی تحقیق

شاید کوئی یہاں کہے کہ ہم کو تحقیقات جدیدہ سے قرآن پر شبہ اس سے ہو جاتا ہے کہ حکماء کو تو مشاہدہ ہے اور اسی بناء پر ہم کو قرآن پر شبہ ہے کہ مشاہدہ کے خلاف کیوں ہے۔ یہ پہلے سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات ہے۔ میں کہتا ہوں کہ آپ مشاہدہ کی حقیقت ہی کو نہیں جانتے میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ بھی مشاہدہ ہے کہ مادہ خود بخود متحرک ہو کر اس سے ایک صورت پیدا ہو گئی، پھر شمس و کواکب ہوئے، نباتات ہو گئی اور نباتات سے حیوانات میں ایک خاص نوع بندر بنے پھر بندر یکا یک جست کر کے انسان ہو گیا یہ سب ڈھکوسلے ہیں۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ خود ان مقرین بالقردیت (بندر ہونے کے اقرار کرنے والوں) کو بھی بندر نہ بننے دیں آدمی ہی بنائیں یہی مشاہدات (۱) ہیں انہیں ڈھکوسلوں اور مہمل اور وہمی باتوں کو مشاہدات قرار دے کر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر شبہات؟ اور پھر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔ افسوس کی بات ہے کیا یہ مشاہدہ ہے کہ آفتاب کو سکون ہے زمین کو حرکت ہے؛ خیر ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کس کو سکون ہے اور کس کو حرکت کیونکہ یہ قرآن کے مخالف نہیں مگر یہ سوچ لو کہ اتنا بڑا دعوی کس بنا پر ہے دلیل کچھ بھی نہیں مگر ہم کہیں گے الشمس تجری (سورج چلتا رہتا ہے) چونکہ قرآن میں وارد ہوا ہے (۲) اس لیے آپ آفتاب کو ساکن محض (۳) ماننے سے گنہگار ہوں گے۔ زمین کو چاہے آپ ساکن نہ مانیے متحرک محض مانیے مگر آفتاب کو بھی متحرک ماننا پڑے گا، شاید کسی کو یہ شبہ ہو " وجعلنا فی الارض رواسی " (۴) (یعنی اور ہم نے زمین میں اس لئے پہاڑ بنائے کہ زمین ان لوگوں

---

(۱) فضی اور بیکار باتوں کو مشاہدات قرار دیا (۲) قرآن میں آیا ہے (۳) بالکل غیر متحرک ماننے (۴) سورۃ انبیاء آیت ۳۱

کو لے کر ہلنے نہ لگے) سے تو زمین کا سکون ثابت ہوتا ہے پھر یہ کیوں کہتے ہیں کہ حرکت ارض(۲) کا ماننا قرآن کے خلاف نہیں جواب یہ ہے کہ اس سے نفی حرکت اضطرابیہ(۲) کی مراد ہے ،حرکت غیر اضطرابیہ کی نفی مراد نہیں غرض اس کی آپ کو اجازت ہے کہ زمین کو اگر جی چاہے متحرک مانیں کچھ حرج نہیں۔

تحقیق وجود آسمان

اسی طرح اس کی خبر دی گئی ہے کہ آسمان موجود ہے یہ کونسے مشاہدہ کے خلاف ہے گو اس نظام طلوع وغروب کے لئے سمٰوٰت(۳) کی ضرورت نہ ہو لیکن نظام خاص کی ضرورت نہ ہونا نفی کی تو دلیل نہیں ہوسکتی آسمان دوسری مستقل دلیل سے ثابت ہے(۴)۔اس کی نفی کرنا جائز نہیں یہ کس مشاہدہ سے ثابت ہوا کہ آسمان نہیں ہے بلکہ ہم آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے اس نیلگوں صورت کو حد نظر مان کر آسمان کی نفی کا ہمیں جواب سکھا دیا(۵) کیونکہ قرآن مجید میں کہیں یہ نہیں آیا کہ یہ نیلا نیلا جو نظر آتا ہے یہی آسمان ہے پس اگر آپ کہیں گے کہ اگر آسمان کوئی چیز ہے تو نظر کیوں نہیں آتا ہم یہ کہیں گے کہ نظر اس لئے نہیں آتا کہ آپ نے اس سقف نیلی کو حد نظر مان لیا پس جب یہ حد نظر ہے تو آسمان اس کے آگے ہے اور چونکہ نظر یہاں تک انتہا ہو جاتی ہے اس لئے آگے کچھ نظر نہیں آتا۔اب آپ کو آسمان کے نفی کرنے کی بالکل گنجائش نہیں رہی۔

---

(۱) زمین کی حرکت (۲) بے قرار انداز میں حرکت کرنے لگے ایسی حرکت کی نفی مراد ہے۔(۳) آسمانوں (۴) نظام طلوع وغروب کی ضرورت نہ ہونے سے آسمان کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا (۵) آپ نے یہ تسلیم کر کے کہ یہ نیلا نظر آنے والا آسمان نہیں بلکہ منتہائے نظر ہے یہ ثابت کر دیا کہ آسمان کے نظر نہ آنے کی وجہ ہماری نظر کی حد سے باہر ہے

فلسفیانہ شبہ اور اس کا جواب

اب اس شبہ کی بالکل گنجائش نہیں رہی کہ ہم حکماء کے قول پر قرآن کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ مشاہدہ کی بناء پر جس کی مثال میں یہ پیش کیا کرتے ہیں کہ مشاہدہ سے ثابت ہوا ہے کہ غروب کے وقت آفتاب زمین کے اندر نہیں جاتا اور قرآن مجید میں سکندر ذوالقرنین کے قصہ میں مذکور ہے کہ آفتاب کو کیچڑ اور دلدل میں غروب ہوتے پایا بھلا دیکھو کتنا مشاہدہ کے خلاف ہے، آفتاب ایک جرم عظیم(۱) ہے۔ زمین سے کتنے ہی حصہ بڑا ہے کہیں زمین کی دلدل اور کیچڑ میں غروب ہوسکتا ہے لیکن اگر عقل ہوگی تو اس میں جواب نظر آجائے گا، یعنی قرآن مجید میں "وجد" وارد ہوا ہے یعنی اس کو بادی النظر میں ایسا پایا یعنی اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیچڑ میں دھنس رہا ہے۔ یہ نہیں فرمایا "غربت فی" (کیچڑ میں ڈوب گیا) جہاز پر سوار ہوکر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب سمندر میں سے نکلتا ہے اور اسی میں ڈوب رہا ہے اسی طور پر ہم روزانہ مشاہدہ کرتے ہیں آفتاب کے طلوع وغروب کا یہی معلوم ہوتا ہے کہ زمین ہی سے نکلا اور زمین ہی میں گھس گیا۔ پھر مشاہدہ کے خلاف کیا ہوا اب فرمائیے مشاہدہ سے کہاں تعارض ہے(۲)۔ تعارض کہیں بھی نہیں پھر افسوس ہے کہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور قرآن اگر فیثاغورث کے قول کے مخالف ہو تو قرآن پر خلاف مشاہدہ کا شبہ کرتے ہیں فیثاغورث(۳) کے قول پر خلاف واقع ہونے کا شبہ نہیں ہوتا۔ اسلام کی عظمت قلوب(۴) سے جاتی رہی۔ غرض یہ ہے کہ نئے مذاق میں یہ خرابی ہوگئی ہے کہ سائنس والے جو کہدیں اس پر "آمنا وصدقنا" (یعنی

---

(۱) بہت بڑا جسم (۲) یہ بات مشاہدہ کے خلاف نہیں (۳) ایک فلسفی کا نام ہے (۴) اسلام کی عظمت دل سے نکل گئی ہے۔

اس پر ہم ایمان لائے اور ہم نے اس کو سچ مان لیا) اور قرآن پر شبہات مگر وقت کے باوقعت ہونے میں تو فلسفہ وقرآن دونوں متفق ہوگئے (۱) کہ اس کی قسم کھانے سے خود اس کی وقعت پر دلالت ہوگئی۔

اب اس کو قاعدہ پر بھی منطبق کرنا چاہتا ہوں کہ مقسم بہ (۲) دلیل ہوتی ہے جواب قسم کی۔ سو یہاں جواب قسم میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں " ان الانسان لفی خسر " (انسان بڑے خسارے میں ہے) " الا الذین آمنوا وعملوا الصلحت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر " (یعنی خسارے سے وہ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کئے اور ایک دوسرے کو حق اور استقلال کے لئے کہتے اور سنتے رہے۔ یہاں چار چیزیں ذکر فرمائیں۔ ایمان، اعمال صالحہ، تواصی بالحق، (اعتقاد حق پر ایک دوسرے کو قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہنا) تواصی بالصبر (ایک دوسرے کو پابندی اعمال کی فہمائش کرتے رہنا) سبحان اللہ کیسی جامع تعلیم ہے۔

اصول وفروع کا فرق

اصل یہ ہے کہ انسان جن امور کا مکلف (۳) ہوا ہے وہ دو قسم کے ہیں ایک اصول ایک فروع۔ اول عقائد میں۔ دوسرے اعمال اصول وفروع اس لئے کہلاتے ہیں کہ اصل مدار ایمان کا عقائد ہیں پھر اس کے مکمل (۴) اعمال۔ مثلاً ایک شخص ہے کہ وہ گورنمنٹ کے شاہانہ اقتدار کو مانتا ہے مگر ہمیشہ قانون کے خلاف عمل کرتا ہے چوری بھی کرتا ہے جوا بھی کھیلتا ہے اور بدتہذیب بھی ہے تو ایسے شخص کے قلب میں چونکہ

---

(۱) مگر اس بات میں تو قرآن اور فلسفہ دونوں متفق ہیں کہ وقت کی قدر کی جائے (۲) جس چیز کی قسم کھائی جائے (۳) جن کاموں کا آدمی کو حکم دیا گیا ہے (۴) اس کی تکمیل کرنے والا

گورنمنٹ کا اقتدار ہے اس لئے اسے بغاوت کی سزا نہ ہوگی اور ہمیشہ کے لئے مردود نظر نہ ہوگا بلکہ صرف اختتام سزائے معین(۱) کے بعد پھر وہ گورنمنٹ کی محبوب رعایا میں داخل ہو جائے گا۔ برخلاف اس شخص کے کہ جو نہایت مہذب و متین ہو اور افعال قبیحہ خلاف قانون(۲) سے بھی بچتا ہے مگر گورنمنٹ کے اقتدار شاہانہ کو تسلیم نہ کرتا ہو تو اس کو بغاوت کی سزا ہوگی کہ عبور دریائے شور کر دیا جائے یا پھانسی دے دیا جائے گا اور ہمیشہ کے لئے معتوب(۳) رہے گا۔

اے صاحبو! سمجھ لیجئے کہ اسی طرح اسلامی قانون بھی ہے کہ جس کے عقائد اچھے نہیں وہ باغی ہے اگرچہ نماز روزہ کرے اور کیسا ہی شائستہ ہو ہمیشہ کے لئے مردود بارگاہ ایزدی ہوگا اگر توبہ نہ کرے۔ برخلاف اس شخص کے کہ جو نماز روزہ کچھ نہیں کرتا اور ہر قسم کے معاصی(۴) میں مبتلا رہتا ہے مگر عقائد اچھے ہیں تو اس کی وہی میعادی(۵) سزا خلاف قانون عمل کرنے کی ہوگی اگر توبہ نہ کرے لیکن باغیوں میں شمار نہ ہوگا اور اختتام سزا کے بعد پھر وہی حق تعالیٰ کی محبوب رعایا یعنی جنتیوں میں داخل ہو جائے گا۔

مگر یہاں پر بعضے شبہ کرتے ہیں کہ جب کسی غیر مسلم میں اخلاق و اعمال شائستہ ہوں تو کیا وجہ ہے کہ وہ ناجی(۶) نہیں۔ میں کہتا ہوں گورنمنٹ پر یہی اعتراض کیا ہوتا کہ کیا وجہ ہے جب ایک باغی مہذب ہے بقیہ جرائم قانونی سے بھی محفوظ ہے پھر کیوں اس کو سزا ہوتی ہے۔ اس کے سزا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ باغی ہے تو اس کے کمالات ہیچ در ہیچ(۷) ہیں پس اسلامی قانون میں بھی ایسا ہے میں سچ کہتا ہوں کہ

---

(۱) ہمیشہ کے لئے ناپسندیدہ شخصیت نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ جب اس کی مقررہ سزا پوری ہو جائے گی تو وہ پھر حکومت کا پسندیدہ آدمی ہوگا (۲) خلاف قانون ہونے والے کام (۳) ملک بدر کیا جائے گا یا پھانسی دی جائے گی (۴) گناہوں (۵) مقررہ معین (۶) اس کی نجات نہیں ہوگی (۷) اس کے کمالات کی کوئی حیثیت نہیں۔

جتنے شعبے اسلام پر ہیں اپنے معاملات میں غور کریں تو سب کا جواب نکل آئے گا۔ مگر غور کون کرے دین تو آنکھوں میں کھٹکتا ہے۔ افسوس کیسی آفت ہے؟ کیسا طوفان بے تمیزی برپا ہے؟ اور پھر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں۔

صاحبو! کیا یہی اسلام ہے؟ اس تقریر سے اصول وفروع کا فرق معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ اصول قلب کے متعلق۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی حقیقت

پھر ان دونوں عقائد واعمال میں ایک تقسیم اور ہے۔ ایک تو خود اختیار کرنا ایک دوسروں کو تعلیم کرنا جس کو ہمدردی کہتے ہیں۔ یہاں سے ایک اعتراض کا جواب بھی ہوگیا وہ یہ کہ جب مولوی لوگ نصیحت کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ مولوی لوگ بڑے متعصب ہوتے ہیں ہمیشہ پیچھے پڑے رہتے ہیں اسی بات کو حق تعالیٰ فرماتے ہیں " افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم قوما مسرفین "(۱) کیا تمہارے تجاوز عن الحد (حد سے گذر جانے) کی وجہ سے ہم اپنی نصیحتیں ہٹالیں گے خوب کہا ہے۔

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است وبس　　در بندِ آں مباش کہ شنید یا شنید

(تمہارا کام بس دعا مانگے جانا ہے اس کی فکر میں مت رہو کہ انہوں نے سنی یا نہیں)

یعنی کہے جاؤ کوئی سنے یا نہ سنے۔ ہمدردی کا مقتضا تو یہی ہے کہ جو اپنے لئے پسند کرے دوسرے کے لئے بھی پسند کرے۔ اب یہیں سے سمجھ میں آگیا ہوگا کہ نہی عن المنکر (یعنی بُری باتوں سے روکنا) وامر بالمعروف (اچھی باتوں کا حکم کرنا) شرعاً وعرفاً کہ حقیقت اس کی ہمدردی ہے۔ فرض ہے۔ اب کل چار چیزیں ہوئیں۔ ایک

(۱) سورۃ الزخرف آیت ۵

اصول کو اختیار کرنا۔ایک ان کی ترغیب دینا۔ایک فروع کو اختیار کرنا ایک ان کی ترغیب دینا۔قرآن شریف میں یہی مذکور ہے میں نے اصول وفروع کی ترغیب کو وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر سے سمجھا ہے صبر کے معنی ہیں حبس النفس علی ما تکرہ یعنی نفس کو ایسی چیز کا پابند کرنا جو نا گوار ہو۔مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے اعمال کا نفس کو پابند کرنا۔اس میں نماز روزہ حج زکوۃ سب داخل ہیں۔ تواصوا باب تفاعل سے ہے جس کی خاصیت مشارکت ہے اب معنی یہ ہو گئے کہ ہر شخص دوسرے کو کہے، چھوٹا بڑے کو، بڑا چھوٹے کو۔اس میں بڑے لوگوں کے کان کھولے گئے ہیں کہ تم چھوٹوں کو کہتے ہو تو چھوٹوں کو بھی حق ہے بڑوں کو کہنے کا۔اب بڑوں کو چھوٹوں کے کہنے کا برا ماننے کی گنجائش نہیں۔چھوٹے بھی بڑوں کو حق بات کی نصیحت کر سکتے ہیں بلکہ حق بات قبول کرنا چاہئے۔

حضور ﷺ کا چھوٹوں کے مشورے کو قبول کرنا

جناب رسول مقبول ﷺ کہ آپ سے سوائے خدا کے کون اشرف واعلیٰ ہوگا؟ کسی نے خوب کہا ہے

یا صاحب الجمال ویا سید البشر

من وجهك المنير لقد نور القمر

(اے صاحب جمال اور اے تمام نوع بشر کے سردار یعنی اے نبی کریم ﷺ آپ کے رخ روشن سے چاند منور ہو گیا)

لا یمکن الثناء کما کان حقه

بعداز خدا بزرگ توئی قصه مختصر

(آپ کے لائق تعریف کرنا ممکن نہیں، قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں۔)

اس مصرعہ پر (بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر) قصہ مختصر ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں۔بہت عمدہ تضمین ہے۔دیگر

شاباش آں صدف کہ چناں پروردگہر آباء از وکرم و ابناء عزیز تر

(اس صدف کو شاباش کہ ایسا گہر پالا کہ آباؤاجداد اس سے مکرم اور بیٹے عزیز تر ہیں)

صلوا علیه ما طلع الشمس و القمر

بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

(جب تک سورج اور چاند طلوع ہوتے رہیں یعنی قیامت تک آپ پر درود بھیجو۔قصہ مختصر یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں۔)

حضور ﷺ کی شان یہی ہے

ع بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور کسی نے خوب کہا ہے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(جو کمالات تمام انبیاء علیہم السلام میں پائے جاتے ہیں وہ سب کے سب تنہا آپ میں موجود ہیں)

باوجود اتنے کمالات اور خوبیوں کے آپ کی حالت یہ تھی کہ اگر چھوٹے سے چھوٹے صحابہ بھی مشورہ دیتے تھے تو آپ قبول فرمالیتے تھے۔مثلاً حدیبیہ کا واقعہ کہ باوجود آپ کے فرمانے کے لوگ احرام نہیں کھولتے تھے حضور ﷺ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ کیا کروں لوگ احرام نہیں کھولتے انہوں نے

عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ سب سے پہلے آپ احرام کھول کر قربانی کر دیجئے پھر سب احرام کھول دیں گے۔ چنانچہ آپ نے قربانی کر دی پھر کیا تھا تمام صحابہ ٹوٹ پڑے اور احرام کھول کر قربانی کرنے لگے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک مرتبہ جناب رسول مقبول ﷺ انصار کے ایک باغ میں تشریف فرما تھے، وہاں ابو ہریرہؓ بھی پہنچے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہ! جاؤ اور جو تمہیں ملے اسے بشارت دو(۱)۔ کہ جو " لا الـہ الا اللہ " پڑھتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ تو بڑی بات ہے میرے کہنے کا کون یقین کرے گا، آپ نے فرمایا کہ میری نعلین مبارک(۲) لیجاؤ اور یہ دکھا کر کہو۔ حضرت ابو ہریرہ بہت خوشی خوشی آرہے تھے کہ سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملے اور پوچھا کہ اے ابو ہریرہ یہ نعلین کیسی ہیں عرض کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی ہیں مجھ کو دے کر بھیجا ہے کہ جو شخص تمہیں ملے اور یقین کے ساتھ " لا الہ الا اللہ " کہے اسے جنت کی بشارت دو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے زور سے دھکا دیا اور فرمایا کہ لوٹ جاؤ کیسی بشارت؟ یہ روتے روتے گئے اور سارا قصہ بیان کیا اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حاضر ہوئے جناب رسول مقبول ﷺ نے پوچھا کہ اے عمر تم نے ایسا کیوں کیا؟ عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر فدا(۳) ہوں کہ آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نعلین دے کر بھیجا تھا کہ جو " لا الہ الا اللہ " کہے اسے جنت کی بشارت دو۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے اندیشہ ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے نماز روزہ نہ چھوڑ بیٹھیں۔ اس لئے بہتر ہے چند روز ان لوگوں کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا بہتر ہے اور چند روز اسی حالت میں

(۱) خوشخبری (۲) میرے جوتے لے جاؤ (۳) قربان۔

رہنے دو تو بھلا خیر دوستوں سے یہ برتاؤ تھا۔ آپ کا تو دشمنوں سے بھی یہی برتاؤ تھا۔ اور آپ کی بڑی شان ہے آپ کے غلاموں کا بھی برتاؤ تھا۔

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ

(اہل اللہ کے قصے سنے ہیں کہ انہوں نے دشمنوں کے دل بھی رنجیدہ کرنا گوارا نہیں کیا)

تُرا کے میسر شود ایں مقام کہ با دوستانت خلافت است و جنگ

(تم کو یہ مرتبہ کیسے حاصل ہوسکتا ہے اس لئے کہ دوستوں کے ساتھ ہی تمہاری مخالفت اور لڑائی ہے۔ دشمن تو رہے درکنار)

اللہ والوں سے گستاخی کی سزا

ایک شخص امام اعظم ابوحنیفہؒ کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا آپ کے والد کا انتقال ہوگیا ہے آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر پوچھا آپ کی والدہ زندہ ہیں؟ فرمایا ہاں زندہ ہیں۔ کہنے لگا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ کی والدہ بڑی حسینہ جمیلہ ہیں اس لئے میں ان سے نکاح کرنے آیا ہوں آپ ان کا نکاح میرے ساتھ کردیجئے۔ فرمایا کہ وہ عاقلہ بالغہ ہیں انہیں اپنے نکاح کا اختیار ہے میں جبر نہیں کرسکتا، البتہ ان سے پوچھ سکتا ہوں پوچھنے جاتے تھے اتفاق سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اس شخص کی گردن الگ تھی، فرمایا ابوحنیفہ کے صبر نے اسے قتل کردیا

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تا دلِ صاحب دلے نامد بدرد

(کسی قوم کو اللہ تعالیٰ نے رسوا نہیں کیا جب تک کہ اس نے کسی اہل اللہ کے دل کو درد نہیں پہنچایا۔)

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

(جب اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری اور رسوائی چاہتے ہوں تو اس کا میلان نیک لوگوں کے طعن

میں پیدا کر دیتے ہیں۔)

چوں خدا خواہد کہ پوشد عیب کس کم زند در عیب معیوباں نفس

(جب اللہ تعالیٰ کو کسی کی عیب پوشی منظور ہوتی ہے تو وہ شخص عیب دار لوگوں میں بھی کلام نہیں کرتا)

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات باد رد کشاں ہر کہ درافتاد برافتاد

(اس دیر مکافات یعنی دنیا میں ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جس نے عاشقان الٰہی سے مزاحمت کی وہ خستہ و برباد ہو گیا۔)

یہ لوگ خدا کے محبوب ہوتے ہیں ان سے گستاخی کرنا سزا سے خالی نہیں جاتا۔ امام ابو حنیفہؒ کے صبر کو ملاحظہ کیجئے کہ اس شخص نے کیسی گستاخی کی اور آپ کس نرمی اور تحمل سے جواب دیتے رہے۔

امام صاحب کی حکایت

امام صاحبؒ کی ایک حکایت یاد آئی کہ ایک مرتبہ ایک لڑکے کو کودتا ہوا دیکھ کر فرمایا کہ میاں لڑکے سنبھل کر چلو کہیں پھسل کر گر نہ پڑنا۔ اس لڑکے نے کہا کہ آپ اپنی خبر لیجئے کہ کہیں آپ نہ پھسل جائیں کہ تمام عالم گمراہ ہو جائے اور میرا کیا ہے میں اگر پھسل بھی جاؤں تو فقط میرے ہی تھوڑی سی چوٹ آئے گی۔ دوسروں کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ امام صاحب روئے اور فرمایا کہ اے میاں لڑکے ہمارے پاس آؤ اور علم حاصل کرو۔ وہاں تو یہ خیال تھا کہ بھلا اس لڑکے کی کیا مجال جو کچھ کہتا یہ سب ادھر ہی کا کہلوایا ہوا کہتا ہے۔

دو دہاں داریم گویا ہمچو نے یک دہاں پنہاں ست در لبہائے وے

(بانسری کی طرح ہم گویا دو منہ رکھتے ہیں ایک منہ اس کے لبوں میں پوشیدہ ہے)

یک دہاں نالاں شدہ لبوئے شما ہائی و ہوئی در فگندہ در سما

(ایک منہ تمہاری طرف نالاں ہے۔ہائے ہوئے عالم میں ڈالے ہوئے ہے)

جیسے بانسری ہوتی ہے کہ جس وقت آواز نکلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ نے بول رہی ہے مگر واقع میں وہ نے (۱) کی آواز نہیں بلکہ پھونکنے والے کی آواز ہے کیونکہ اگر نہ پھونکے تو نے نہیں بول سکتی اسی طرح جن کی نظر نافذ ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہے ادھر ہی سے ہے عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

اگر عز و جاہ است وگر ذل وقید من از حق شناسم نہ از عمرو زید

(اگر عزت و مرتبہ ملتا ہے اور اگر ذلت و رسوائی پیش آتی ہے تو اس کو ہم حق تعالیٰ شانہ ہی کی طرف سے جانتے ہیں نہ عمرو زید کی جانب سے کیونکہ موثر حقیقی حق سبحانہ ہی ہیں مخلوق تو محض آلہ کار ہے۔)

اور جن کی نظر ناتمام ہے وہ غلطیاں کرتے ہیں ایک جاہل صوفی تھے۔راستہ گلیوں میں ہمہ اوست (سب وہی ہے) کا نعرہ لگاتے پھرتے تھے۔اتفاق سے ایک ہاتھی آتا تھا اس کے فیلبان (۲) نے ہٹو! بچو! بہت کہا مگر یہ نہ ہٹے اور ہمہ اوست کہتے رہے یہاں تک کہ کچل کر مر گئے۔ایک بزرگ نے سُنا اور کہا کہ اس نے ہاتھی کو تو ہمہ اوست میں داخل سمجھا اور اس آواز کو کیوں نہ ہمہ اوست میں داخل سمجھا، خوب کہا ہے

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استادِ ازل گفت ہمی گویم

(یعنی اپنی طرف سے بااختیار خود کچھ نہیں کہتے بلکہ جو استاد ازل یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہی ہم کہتے ہیں)

---

(۱) بانسری کی نلکی میں سے آواز آرہی ہے یعنی وہ بول رہی ہے (۲) ہاتھی چلانے والے نے۔

بس عارفین یہی سمجھتے ہیں کہ سب کچھ وہیں سے ہے اسی وجہ سے کسی مصیبت سے پریشان نہیں ہوتے۔

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست　　کہ دلِ ہر دو در تصرفِ اُوست

(یعنی خدا تعالیٰ کی جانب سے دشمن و دوست کی مخالفت سمجھو اس لئے کہ دونوں کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔)

حقیقت اتفاق

جن کی نگاہ حقیقت (۱) میں ہے وہ کسی کی بات کا بُرا نہیں مانتے حضور ﷺ کی انصاف پسندی یہ تھی کہ اغیار (۲) کی بھی قبول فرما لیتے ہیں۔ آجکل اتفاق کے حسن پر باوجود یکہ اتفاق ہے مگر پھر نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اور لوگ میرے تابع (۳) رہیں۔ اگر یہ ہوتا کہ ہر ایک دوسرے کا تابع بنے تو اتفاق ہونا مشکل نہیں تھا۔ سلف (۴) میں سے دو شخص سفر میں جا رہے تھے ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تم سردار بنو گے یا خادم؟ انہوں نے کہا خادم پھر پہلے شخص نے کہا اچھا جب میں سردار ہوں تو میں جو کچھ کہوں اُسے ماننا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ ہاں مانوں گا۔ یہ طے ہونے کے بعد دونوں سردار، خادم سفر میں روانہ ہوئے منزل پر پہنچکر سردار نے خادم سے کہا کہ تم الگ بیٹھے رہو میں سب کام کروں گا انہوں نے کہا کہ کیسے ہو سکتا ہے میں تو خادم ہوں انہوں نے کہا کہ میں سردار ہوں میرا کہا تم کو ماننا پڑے گا۔ تمام راہِ سفر میں سردار صاحب کام کرتے چلے گئے۔ سبحان اللہ" سید القوم خادمهم" (قوم کا سردار قوم کا خدمت کرنے والا ہوتا ہے) کے یہی معنیٰ ہیں۔ اتفاق کے لئے یہی لازم ہے کہ جو کچھ آپس میں طے ہو گیا اس کے خلاف نہیں کرتے لیکن آج اتفاق

(۱) جن کی نظر حقیقت تک پہنچتی ہے (۲) غیروں (۳) ماتحت (۴) پہلے بزرگوں میں سے۔

کے معنی ہی بدل گئے۔ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ آجکل کے لیڈر جو اتفاق اتفاق پکارتے ہیں انہیں اس کی جڑ معلوم نہیں۔ اس کی جڑ ہے تواضع اور تواضع کاغذ پر نام کے ساتھ حقیر ذلیل نیاز مند، خاکسار کے لکھنے سے نہیں ہوتی،

میم وواؤ میم ونوں تشریف نیست لفظ مومن جز پے تعریف نیست

(یعنی لفظ مومن کے اجزاء میم وواؤ اور میم ونوں میں کوئی بزرگی نہیں ہے یہ تو صرف شناخت وامتیاز کے لئے ہے اور جو کچھ بزرگی ہے وہ اس کے مدلول(۱) میں ہے کہ وہ صفت کمال ہے۔)

حصول اتفاق کا طریقہ

اور آج کل تو وہ کاغذی تواضع بھی گم ہوگئی کاغذی نام بھی ایسے ایسے متکبرانہ ایجاد کئے۔ پریزیڈنٹ، سیکرٹری، ممبر، محراب، رکن یعنی ستون وغیرہ وغیرہ۔ ہاں یہ نام ہیں تکبر سے خالی مہتمم، منتظم، وغیرہ۔ مگر آجکل تو زیادہ مقصود نمائش ہے اسی لئے انجمنوں میں بجائے اس کے کہ کام کرنے والوں کی اہلیت پر نظر ہوتی تمول(۲) اور شہرت پر نظر ہے۔ کانپور میں ایک جلسہ ہوا اس کے سیکرٹری صاحب نے کسی اپنے دوست سے کہا کہ میں ایک رائے پیش کروں گا تم کہنا میں بھی تائید کرتا ہوں چنانچہ جلسہ میں سیکرٹری صاحب نے رائے پیش کی اتفاق سے وہ دوست صاحب گو امیر تھے مگر جاہل تھے باوجود رٹنے کے بھی ان کو لفظ تائید یاد نہ رہا۔ مجبوراً کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں بھی آپ کی رائے کی تاریدکرتا ہوں۔ سیکرٹری نے اشارہ سے منع کیا تو کہا میں بھی تردید کرتا ہوں پھر انہوں نے اشارہ سے بتلایا تو یہ کہہ کر کہ میں بھی تاکید

(۱) یعنی جس پر لفظ مومن صادق آتا ہے کہ دل سے ماننے اور اس کے مطابق عمل کرے تو صحیح معنی میں مومن ہے ورنہ صرف نام ہی ہے۔ (۲) دولتمند۔

کرتا ہوں بیٹھ رہے۔

ایک صاحب رئیس دیہاتی، گنوار، جاہل، آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے کام تو جانتے نہ تھے ایک دوسرے آنریری مجسٹریٹ کے یہاں کام سیکھنے پہنچے اتفاق سے جس وقت پہنچے تو دو درخواستیں پیش ہوئیں اس میں پہلی منظور کرنے کے قابل تھی اور دوسری منظور کرنے کے قابل نہیں تھی۔انہوں نے پہلی کو دیکھ کر کہا منظور اور دوسری کو نامنظور۔بس آپ نے کہا کہ یہی آنریری مجسٹریٹی ہے تو یہ کیا مشکل ہے آئے اور اجلاس کیا درخواستیں پیش ہوئیں پہلی کو کہا منجور (منظور) دوسری کو نامنجور (نامنظور) اسی طرح تمام درخواستوں پر منجور نامنجور کہتے رہے۔یہ آنریری مجسٹریٹ تھے جب ایسے ایسے جاہل سید القوم (قوم کے سردار) بنیں تو وہ رعایت مصالح کیا کریں گے اور اتفاق کیسے ہوگا،دوسروں کو اپنا ہمسر سمجھو اور کمتر نہ سمجھو تو اتفاق ہو۔اور یہ تواضع سے ہوسکتا ہے اور تواضع بزرگوں کی صحبت سے

قال را بگذار مرد حال شو پیش مردے کاملے پامال شو

(قال کو چھوڑ دو حال پیدا کرو یہ حال جب پیدا ہوگا کہ کسی مرد کامل کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ)

تواضع کے حصول کا طریقہ

کسی کی جوتیاں اُٹھا کر سر پر رکھو تو تواضع ہو بس حتی الامکان کوشش کرو تواضع کے پیدا ہونے کی۔کیونکہ اگر یہ شخص بظاہر متواضع بھی ہوگیا تو اس سے کیا ہوتا ہے جب کبھی کوئی بات پیش آجاتی ہے اس وقت ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ تواضع عارضی تھی تو بات یہ ہے کہ اچھی طرح نفس کی صفائی نہیں ہوئی تھی اور مقتضی (۱) تواضع نہیں پیدا ہوا

(۱) تواضع سے جو چیز حاصل ہونی چاہئے تھی وہ حاصل نہیں ہوئی۔

تھا۔ یہ بزرگوں کی صحبت سے ہوتا ہے کیونکہ وہ ان امراض روحانی کے طبیب ہوتے ہیں اچھی طرح اس کے سبب کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں۔ اور خود اختیار کی ہوئی تواضع تو ایسی ہے جیسی کہ ایک بلی کو بادشاہ نے سکھلوایا تھا کہ اگر اس کے سر پر شمعدان(۱) رکھدیا جاتا تھا تو وہ خاموش بیٹھی رہتی تھی بادشاہ بہت خوش تھے کہ بلی نے بالکل اپنی خصلت چھوڑ دی۔ وزیر نے کہا حضور اس سے اس کی خصلت نہیں چھوٹی بلکہ کوئی بات ایسی نہیں پیش آئی جس سے اس کی خصلت کا چھوٹنا یا نہ چھوٹنا ظاہر ہوتا اس کے سامنے چوہا چھوڑوا کر دیکھئے پھر دیکھیں یہ کیسے اسی طرح بیٹھی رہتی ہے چنانچہ اس کے سامنے چوہا چھوڑا گیا وہ شمعدان پھینک کر دوڑی چوہے کے پکڑنے کو۔ اس تواضع کی بھی ایسی ہی مثال ہے جو کسی بزرگ کی تربیت اور صحبت سے حاصل نہ کی جائے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں کہ تمہاری تواضع کی ایسی مثال ہے کہ گوبر ہے کہ پانی کی تہ میں بیٹھ گیا ہے بظاہر پانی نہایت صاف شفاف نظر آتا ہے لیکن اگر ذرا بھی ہل جائے تو تمام گوبر ظاہر ہو جائے۔

دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ عارف کہ برنجد تنک آب است ہنوز

(یعنی بڑا دریا پتھر سے گدلا نہیں ہوتا۔ جو عارف کہ رنجیدہ ہو وہ ہنوز تھوڑے پانی کے مشابہ ہے کہ ذرا سی چیز کے پڑنے سے گدلا ہو جاتا ہے)

تو آپ کی تواضع مصنوعی تواضع(۲) ہے کہ ابھی اگر کوئی ذرا خلاف مرضی کوئی بات کہدے پھر دیکھئے آپ کیسا بگڑ کتے ہیں۔

مولانا شہیدؒ کی تواضع

مولانا شہیدؒ کا ایک شخص نے امتحان کیا تھا۔ اس نے سُنا تھا کہ بڑے تیز

---

(۱) موم بتی رکھنے کا اسٹینڈ (۲) بناوٹی عاجزی

ہیں ،دہلی کی جامع مسجد میں مولانا تشریف رکھتے تھے وہ آیا اور مجمع میں با آواز بلند پوچھا کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ حرامی ہیں مولانا نے فرمایا کہ تم سے کس نے کہا؟ غلط ہے۔ میری ماں کے نکاح کے گواہ اب تک زندہ ہیں اگر یقین نہ ہو تو پوچھوادوں۔ وہ شخص قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ میں امتحان کرتا تھا کہ آپ کی تیزی تکبر سے تو نہیں ہے معلوم ہو گیا کہ سارا غصہ اور تیزی اللہ ہی کے لئے ہے اپنے نفس کے لئے نہیں۔ مولانا شہیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ شاہ صاحبؒ کے ہوتے ہوئے سید صاحب سے آپ کیوں بیعت ہوئے؟ فرمایا کہ جس کو جس سے مناسبت ہوتی ہے اسی سے فیض ہوتا ہے سید صاحب کافیہ(۱) پڑھتے تھے تو ایک دن اتفاق سے اس کے حرف نظر نہ آئے کاغذ بالکل صاف نظر آتے تھے۔ اور دوسرے طالب علموں کو دکھایا تو ان کو نظر آتے تھے بہت حیران ہوئے صبح کو شاہ صاحب کے پاس آئے اور تمام ماجرا بیان کیا شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم کو اس کی اجازت نہیں ہے تم ذکر و شغل (۲) کرو۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

(یعنی ہر شخص کو ایک کام کے لئے پیدا کیا ہے یعنی تم کو ذکر و شغل کے لئے پیدا کیا ہے)

مولانا شہید بڑے عالم تھے اور بہت مشہور تھے بڑے بڑے امراء قدموں پر سر رکھتے تھے اور سید صاحب ایسے مشہور آدمی نہ تھے مگر مولانا شہید کی یہ حالت تھی کہ سید صاحب کی سواری کے ساتھ ان کی جوتیاں لئے دوڑے جارہے ہیں لوگ ہر طرف سے سلام کر رہے ہیں ان کے جواب بھی دیتے جارہے ہیں۔ حضرت یوں نفس مرتا (۳) ہے اور اسی کو تواضع کہتے ہیں۔ اسی لئے مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مردِ حال شو پیشِ مردے کاملے پامال شو

---

(۱) علم نحو کی ایک کتاب کا نام ہے (۲) شیخ کے بتائے ہوئے اذکار و تسبیح ہمراقبات کرو (۳) اس طرح نفس کی اصلاح ہوتی ہے

(قال کو چھوڑو حال پیدا کرو یہ حال جب پیدا ہوگا کہ کسی مرد کامل کے قدموں میں جا کر پڑ جاؤ)

یہ نہیں کہ چند روز ذکر و شغل کر لیا، ذرا نفس دب گیا۔ اس کے بعد جب گئے پھر وہ شرارتیں کرنے لگا۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں

صوفی نہ شود صافی تا در نکشد جامی بسیار سفر باید تا پختہ شود خامی

(یعنی جب تک بہت سے مجاہدات و ریاضت نہ کئے جائیں اس وقت تک نفس کا تصفیہ نہیں ہو سکتا ہے۔ پختگی کے لئے بہت سے مقامات و سفر طے کرنے کی ضرورت ہے) مولانا فرماتے ہیں ان سفروں کے بعد بھی نفس پر اعتماد نہ کرو۔

نفس اژدہا است او کے مردہ است از غم بے آلتی افسردہ است

(نفس اژدہا ہے وہ کب مردہ ہوتا ہے؟ بے آلتی کے غم کے سبب سے افسردہ ہو جاتا ہے)

نفس کی مثال

حکایت ہے کہ کوئی شخص شہر میں پڑے ہوئے اژدہے کو مردہ سمجھ کر لایا تھا جب آفتاب(۱) کی گرمی پہنچی تو اس میں ذرا ذرا جان آئی اور ذرا ذرا(۲) سرکنے لگا، بس پھر کیا تھا وہ سپیرا بھی اور تماشائی سب بھاگے نفس کی بھی یہی حالت ہے چار دن کے ذکر و شغل سے ذرا دب جائے تو اسے مردہ نہ سمجھو، ہمارے حضرت الحزم سوء ظن کی تفسیر میں فرماتے تھے کہ ہوشیاری بدگمانی ہے۔ یعنی اپنے نفس سے ہمیشہ بدگمان رہو، ذرا دب جائے تو یہ نہ سمجھو کہ متواضع ہو گیا تمام امراض دور ہو گئے۔

اہل اللہ کی سادگی کی وجہ

اب ایک بات جملہ معترضہ کے طور پر کہتا ہوں کہ جب معلوم ہو گیا کہ تواضع کا

---

(۱) سورج (۲) تھوڑا تھوڑا چلنا شروع ہوا۔

سب اہل اللہ کی صحبت ہے۔اوران کی انکساری سادگی سے ان کے ساتھ لوگوں کے یہ گمان ہیں کہ بدتہذیب ہیں متعصب ہیں بھلا نفع کیونکر ہو۔رہی ان کی سادگی سو بات یہ ہے کہ

نباشد اہلِ باطن درپئے آرائشِ ظاہر بہ نقاش احتیاجے نیست دیوارِ گلستاں را

(یعنی اہل باطن ظاہری ٹیپ ٹاپ کے درپے نہیں ہوتے دیوار گلستان کو نقاش کی احتیاج نہیں ہے)

زعشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی است بآب ورنگ وخال وخط چہ حاجت روئے زیبارا

(ہمارے عشق ناقص سے جمال یار بے پرواہ ہے۔رخ زیبا کو آب ورنگ اور خط وخال کی کیا حاجت ہے؟ یعنی محبوب حقیقی کا جمال ہمارے عشق ناقص سے بے نیاز ہے۔)

متنبی کہتا ہے۔

حسن الحضارة مجلوب بتطرية وفي البداوة حسن غير مجلوب

(یعنی شہروں میں بناؤ سنگار کا حسن ہےاور دیہات میں سادگی کا حسن ہے)

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند دلبرِ ماست کہ باحُسنِ خدادادآید

(یعنی نباتی دلفریب یعنی گلاب وسنبل وریحان وغیرہ پھولوں سے آراستہ پیراستہ ہیں۔ ہمارے محبوب میں حسن خداداد ہے اس کو زیور متعارف کی ضرورت نہیں)

زیرِ بارند درختاں کہ ثمر ہادارند اے خوشا سرو کہ از بندِ غم آزاد آمد

(جو درخت پھل دار ہیں وہ زیر بار ہیں سرو بہت اچھا ہے کہ بند غم سے آزاد ہے)

وہ آزاد ہیں انہیں کیا حاجت ہے کوٹ کی پتلون کی؟انہیں کیا حاجت ہے میز کی کرسی کی؟انہیں کیا حاجت ہے کوٹھی کی بنگلہ کی؟صاحبو!میں رائے دیتا ہوں کہ اپنے لڑکوں کو جہاں اور تعلیم دیجئے وہاں اہل اللہ کی صحبت میں بھی چند روز رکھئے تاکہ اخلاق حمیدہ ان میں پیدا ہوں۔

حضور ﷺ ہر ایک کا مشورہ قبول فرما لیتے تھے

اب مطلب کی طرف عود کرتا ہوں کہ حضرات اہل اللہ نے اپنے کو تواضع کر کے یہاں تک پہونچا لیا کہ انہیں کوئی بات ناگوار نہیں ہوتی یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ بے حس ہوتے ہیں بلکہ بہت زیادہ لطیف المزاج (۱) ہوتے ہیں لیکن متحمل مزاج ہوتے ہیں میں حضرت رسول اللہ ﷺ کی حکایت بیان کر رہا تھا کہ اپنے دوستوں ہی کا مشورہ نہیں قبول فرما لیتے تھے بلکہ مخالفوں کی بات کو بھی مان لیتے تھے (۲)۔ عام بدر (۳) میں ایک جماعت تاجروں کی شام سے مکہ معظمہ مال لیکر جا رہی تھی آپ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ جا کر ان کا مقابلہ کریں۔ صحابہؓ نے مشورہ دیا مقابلہ کرنے کا اس کا چرچا ہو گیا رفتہ رفتہ مکہ تک یہ خبر پہنچی وہاں سے انہوں نے ایک جماعت مسلح کو مقابلہ کے لئے بھیجا وہ جماعت آئی اور اس نے مقابلہ کیا اور شکست اُٹھائی، ستر سردار مارے گئے اور اتنے ہی قید کئے گئے، قرآن مجید میں اسی کے متعلق مذکور ہے " واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمٰتہ ویقطع دابر الکفرین" یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا کہ دو جماعتوں (تجار و محاربین (۴)) میں سے تمہیں ایک جماعت ملے گی اور تم چاہتے تھے کہ جماعت تجار ملے لیکن حق تعالیٰ چاہتا تھا کہ حق کو غالب کرے اور کفار کی بیخ کنی (۵) کرے۔ جب اس جماعت محاربین (۶) سے جہاد ہو چکا اور ستر سردار قید میں آئے حضرت عباسؓ بھی انہی قیدیوں میں تھے تو حضور سرور عالم ﷺ صحابہؓ سے مشورہ کرنے لگے کہ اب اس جماعت تجار سے مقابلہ کریں حضرت

---

(۱) جبکہ درست ہو (۲) جبکہ درست ہو (۳) جنگ بدر کے سال (۴) تاجر اور جنگ کرنے والے (۵) کفار کی جڑ اکھیڑنے (۶) جب اس جنگ کرنے والی جماعت۔

عباسؓ جو قیدیوں میں تھے بول اُٹھے کہ حضور ﷺ ایسا نہ کیجئے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے "احدی الطائفتین" یعنی ایک گروہ کا وعدہ فرمایا تھا سو وہ پورا ہو چکا اب اگر حملہ کریں گے تو ضرور ناکام ہوں گے۔ حضور ﷺ نے یہ سنکر اپنی رائے کو بدل دیا اور پھر اس جماعت پر حملہ نہ کیا۔ دیکھئے حضور ﷺ نے ایسا خیال نہیں فرمایا کہ ہمارا ایک مفتوح قیدی(۱) ہم کو مشورہ دے رہا ہے ہم کیوں قبول کریں بلکہ چونکہ بات معقول تھی اس لئے فوراً قبول فرمالیا۔

حضور ﷺ کے فیض کا ظہور دیکھیں لوگ یہاں بھی کہیں گے کہ حضور ﷺ نبی تھے اور قرآن کو نہیں سمجھے۔ میں قسم کھا کر کہوں گا کہ حضرت عباسؓ جو سمجھے وہ بھی حضور ﷺ کی صحبت کی برکت سے سمجھے اور یہ جو علم حاصل ہوا محض حضور ﷺ کا فیض تھا اور حضور ﷺ کو بھی علم تھا مگر التفات نہ تھا کیونکہ اس وقت حضور ﷺ صحابہؓ کے مشورہ کی طرف متوجہ تھے۔

نیاوردم از خانہ چیزے نخست تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

(گھر سے ہم کوئی چیز نہیں لائے ہمارے پاس جتنی چیزیں ہیں وہ سب آپ کی عطا کی ہوئی ہیں) اسی کا ترجمہ ہے

بابا کے یہاں سے کون لایا جس نے پایا یہاں سے پایا

وہ تو حضور ﷺ کے یہاں سے ملا ہے جو کچھ جس کے پاس ہے مگر بات یہ ہے کہ اختلاف استعداد کی وجہ سے مختلف پیراؤں(۲) میں ان کا ظہور ہوا ہے۔

جملہ یک نور است لیکن رنگہائی مختلف اختلافی درمیاں این وآن انداختہ

(وہی ایک نور ہے لیکن الوان مختلف ہیں جس کی وجہ سے ایک دوسرے میں اختلاف ہو گیا ہے۔)

---

(۱) ہمارا ایک ایسا قیدی جس پر ہم کو فتح حاصل ہوئی۔ (۲) ہر ایک میں استعداد مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف شکلوں میں اس کا ظہور ہوا ہے

وہی ایک کمال محمد ﷺ ہے جو مختلف پیراؤں میں ظاہر ہوتا ہے کہیں فیض کی شکل، کہیں وجہ کی شکل میں کہیں قبض کی شکل میں کہیں بسط کی شکل میں کہیں جذب کی شکل میں غرض سب کمالات محمدیہ (ﷺ) ہی ہیں جن کا مختلف پیراؤں میں ظہور ہو رہا ہے جیسا توحید افعالی کے باب میں کہا گیا ہے۔

گر بعلم آئیم ما ایوانِ اوست ور بجہل آئیم ما زندانِ اوست

(یعنی علم تک اگر ہماری رسائی ہو جائے تو یہ ان کا ایوان ہے اور اگر ہم جہل میں مبتلا ہیں تو یہ ان کا ہی زندان ہے یعنی حق تعالیٰ ہی کا تصرف ہے)

گر بخواب آئیم مستان وَئیم ور بہ بیداری بدستان وَئیم

(یعنی اگر ہم سو رہے ہیں تو انہیں کے بے ہوش کئے ہوئے ہیں اگر جاگ اُٹھیں تو بھی ان ہی کی گفتگو میں ہیں)

یہ تو ایک ایک کی حالت کی نسبت تھا اور کہیں تزاحم(۱) بھی ہوتا ہے۔

در تردد ہر کہ او آشفتہ است حق بگوشِ او معما گفتہ است

(یعنی جو شخص کسی تردد میں پریشان ہو رہا ہے گویا حق تعالیٰ نے اس کے کان میں کوئی معما کہہ دیا ہے)

یعنی اس کے کان میں کیا معما کہہ دیا ہے؟

بگوشِ گل چہ سخن گفتہ کہ خندان ست بعندلیب چہ فرمودہ کہ نالان است

پھول سے کیا کہہ دیا ہے کہ ہنس رہا ہے بلبل سے کیا کہہ دیا ہے کہ رو رہی ہے

غرض یہ ہے کہ یہ انہیں کے تصرفات ہیں جو سب میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

اسی طرح صحابہؓ میں بھی پرتو(۲) جناب رسول مقبول ﷺ کا تھا۔ چنانچہ ایک کاتب

(۱) ٹکراؤ (۲) عکس۔

وحی سے آپ نے یہ آیت لکھوائی تھی " ثم خلقنا النطفة علقةً فخلقنا العلقة مضغةً فخلقنا المضغة عظمًا فكسونا العظم لحمًا ثم انشأنه خلقًا آخر "(۱) (پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنایا، پھر ہم نے اس بوٹی کو ہڈیاں بنایا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھایا، پھر ہم نے اس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنایا،)

اتنا لکھنے کے بعد اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا" فتبارك الله احسن الخالقين "(سو کیسی بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔) آپ ﷺ نے فرمایا "اكتب هكذا انزل "(لکھ اسی طرح اتاری گئی ہے۔)

سبحان اللہ کیا فیض صحبت ہے رسول اللہ ﷺ کا کہ وحی کے الفاظ بھی القاء ہو جاتے تھے۔ اب یہ شبہ نہ رہا کہ حضرت عباسؓ نے کیسے سمجھ لیا اور جناب رسول مقبول ﷺ نے کیوں نہ سمجھا۔ یہاں سے ایک طالب علموں کے کام کی بات ہے وہ یہ کہ اگر کہیں کوئی بات مطالعہ میں سمجھ میں نہ آوے اور استاد کے سامنے آتے ہی سمجھ میں آجائے تو اسے استاد کی برکت سمجھو۔ اسی طرح استاد کے بھی اگر کوئی بات پڑھانے سے پہلے سمجھ میں نہ آئے اور پڑھاتے وقت سمجھ میں آجائے تو طالب علموں کی برکت سمجھیں۔ اسی طور پر مجلس وعظ میں بھی کوئی ایسا ہے جو وعظ کے مضامین کھینچ رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان چار صفتوں کا حاصل ہے " وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر " (یعنی ایک دوسرے کو اعتقاد حق پر قائم رہنے کی فہمائش کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو پابندی اعمال کی فہمائش کرتے رہیں۔)

یہ تو مضمون ہوا اس کے متعلق اب میں وعظ کو مختصر کرنا چاہتا ہوں۔ تمہید گو بہت بڑھ گئی مگر بحمد اللہ بہت ضروری مضامین بیان ہو گئے

(۱) سورۃ المؤمنون آیت ۱۴۔

ماہ رجب سے محرم تک ہر ماہ کے متعلق احکام

میں نے کہا تھا کہ قسم جس چیز کی کھائی جاتی ہے وہ اپنے آگے کے مضمون کی دلیل ہوتی ہے فرماتے ہیں" والعصر "یعنی قسم ہے زمانہ کی اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ زمانہ کی حالت دیکھ لو کوئی خسارہ میں ہے کوئی نفع (۱) میں۔ مقصود بیان میرا یہ ہے کہ یہ مہینہ رجب کا ہے اس میں ایک تاریخ آتی ہے ستائیسویں۔ اس میں لوگ روزہ رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں اور رجب کے بعد شعبان ہے یہ بھی ایک ایسا وقت ہے جس کے متعلق احکام ہیں اس کے بعد رمضان ہے اور اس کے احکام تو بالکل ظاہر باہر ہیں۔ اسی طرح محرم تک اتفاقی بات ہے کہ رجب چھوڑ کر اس کے بعد کے مسلسل چھ مہینے ایسے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے متعلق کچھ نہ کچھ احکام ہیں۔ یوں تو کوئی بھی ایسا نہیں جس کے متعلق کچھ احکام نہ ہوں مگر یہاں احکام روزمرہ بیان کرنا مقصود نہیں کیونکہ ہر وہ شخص جانتا ہے یہاں صرف وہی اعمال بیان کئے جاوینگے جن کے متعلق کچھ خاص احکام ہیں جو اور ایام کے لئے نہیں اور ان میں اکثر لوگ غلطی بھی کرتے ہیں چنانچہ شعبان کے متعلق پندرھویں کا روزہ رکھنا اور مُردوں کو ثواب بخشنا ہے بلا تخصیص (۲) حلوے کے اور انتیسویں شعبان کو چاند دیکھنا اور رمضان کے احکام بالکل ظاہر و باہر ہیں ہر شخص جانتا ہے۔ اور شوال کے متعلق پہلی تاریخ کو افطار کرنا اور چھ روزے رکھنا ان میں سلسلے وار کہنے کی ضرورت نہیں اس مہینے میں پورے ہو جانا چاہئیں، یوں کوئی اپنی سہولت کے لئے سلسلہ وار رکھے تو کچھ حرج نہیں بہرحال دونوں طرح اجازت ہے جس میں سہولت ہو۔ ان روزوں کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی

---

(۱) کوئی نقصان میں ہے کوئی فائدے میں ہے۔ (۲) مردوں کو ثواب پہنچایا جائے لیکن یہ اس میں حلوے کی کوئی خصوصیت نہیں ہے کہ حلوہ پکا کر ہی تقسیم کیا جائے۔ بلکہ حلوے کا اہتمام کرنا بدعت ہے۔

ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس نے یہ چھ روزے رکھے گویا اس نے سال بھر روزہ رکھا۔ اس میں راز یہ ہے کہ ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور رمضان کے روزے پورے ایک مہینے کے ہیں اس لئے دس مہینے کے تو یہ ہوئے اور چھ روزے یہ شوال کے جس میں ہر روزہ برابر دس روزہ کے ہو کر ساٹھ ہوئے اور ساٹھ دن کے دو مہینے ہوئے تو یہ دو مہینے اور دس مہینے ملا کر بارہ مہینے ہو گئے۔ اب سال بھر روزہ رکھنا سمجھ آ گیا ہو گا اب اگر کوئی کہے کہ شوال میں چھ روزوں کے پورا کرنے کی کیا ضرورت؟ دوسرا رمضان آنے سے پہلے پورا کر لینا چاہیے تو بات یہ ہے کہ وقت کی بھی تو خصوصیت ہوتی ہے۔ ذی قعدہ اشہر حج میں سے ہے۔ اشہر حج میں سے ہونیکے یہ معنی نہیں کہ اسمیں اگر کوئی حج کرنے لگے تو ادا ہو جائے بلکہ معنی یہ ہیں کہ احرام بلا کراہت باندھ سکتے ہیں اور اشہر حج سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔ دوسرا حکم اسکے متعلق یہ ہے کہ اشہر حرام میں سے ہے یعنی اس میں قتل وقتال حرام تھا اور اب اس حکم کے بقاء میں اختلاف ہے۔ ایک حکم یہ کہ لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اسی سے اس کا نام خالی رکھا ہے مگر اس پر تعجب ہے کیونکہ یہ تو نہایت مبارک مہینہ ہے کہ اس کے اِدھر اُدھر عید ہے اور کوئی مہینہ تو ایسا ہے بھی نہیں اسے تو یوں کہنا چاہیے تھا

صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم

(سینکڑوں شکر کہ ہم دو کریموں کے درمیان میں ہیں)

ہاں اگر خالی کے معنی یہ ہیں کہ خالی عن الخوست (نحوست سے خالی) تو میں تو اس تسمیہ کے عدم(۱) جواز پر فتویٰ دیتا ہوں کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے عشاء کو عتمہ کہنے سے منع فرمایا تھا حالانکہ ایام جاہلیت ہی سے لوگ عتمہ کہتے تھے۔ اور

(۱) میرے نزدیک تو یہ نام رکھنا جائز نہیں۔

یہاں تو اسلامی نام ہونے کے باوجود اس کو خالی کہا جاتا ہے پھر کیسے خالی کہنے کی جازت ہو سکتی ہے اور ذی الحجہ کے متعلق حج کرنا اور قربانی کرنا ہے۔ اور محرم میں نویں دسویں کو روزہ ہے اور اگر گنجائش ہو تو خرچ میں وسعت کی جاوے مثلاً جو دال پکاتا ہے گوشت پکاوے اسی طرح حسب حیثیت سب اپنے اپنے گھر خرچ میں وسعت کریں ۔ایک حکم یہ ہے کہ بدعات سے بچا جاوے تو چھ مہینے متصل ایسے ہیں کہ ان کے متعلق کچھ احکام ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے متعلق کوئی احکام نہیں۔ مثلاً ربیع الاول کہ کوئی حکم اس کے متعلق نہیں بعض لوگوں نے مولود کو اس میں ضروری کرلیا ہے اور اگر کوئی منع کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ ذکر رسولؐ سے منع کرتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی نماز پڑھے نجس(۱) کپڑوں سے تو اسے منع کریں گے کہ نماز نہ ہوگی بلکہ گناہ ہوگا۔ نیکی برباد گناہ لازم (۲)۔ نعوذ باللہ (۳) جناب رسول مقبول ﷺ کے ذکر سے کون منع کرتا ہے یہ تو تہمت (۴) ہے بلکہ ہم تو بے طریقہ ہونے کی وجہ سے منع کرتے ہیں۔

میلاد النبیؐ منانے کا صحیح طریقہ

اس کا معیار ہمارے پاس صحابہؓ کا طریقہ ہے چنانچہ اس زمانہ میں ذکر شریف ہوتا تھا نہ مٹھائی کی قید تھی نہ اس طور پر فرش وفروش وروشنی وغیرہ کا اہتمام تھا نہ کوئی خاص زمانہ مقرر تھا۔ نہ کوئی قیام کرتا تھا بلکہ صرف شوق ومحبت سے ذکر کرتے تھے۔

دید مجنوں را یکے صحرا نورد در بیابان غمش بنشستہ فرد

(صحراء میں گذرتے ہوئے کسی نے مجنوں کو دیکھا کہ غم کے میدان میں تنہا بیٹھا ہے)

ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم می نمودے بہر کس نامہ رقم

---

(۱) ناپاک کپڑوں میں (۲) نیکی کا ثواب تو ملے گا نہیں اور گناہ تو لازم آئے گا (۳) ایسی بات سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں (۴) الزام۔

(صحراء کی ریت کو کاغذ بنایا ہوا ہے اور انگلیوں سے قلم کا کام لیکر کسی کو خط لکھ رہا ہے۔)

گفت اے مجنونِ شیدا چیست ایں می نویسی نامہ بہر کیست ایں

(پوچھا کہ اے مجنوں یہ کیا کر رہے ہو یہ خط کس کو لکھا جا رہا ہے؟)

گفت مشقِ نام لیلےٰ می کنم خاطرِ خود را تسلی می کنم

(کہا دوست کے نام کی مشق کرتا ہوں اور اپنے دل کی تسلی کر رہا ہوں۔)

جب ہر وقت یہ لوگ ذکر رسولؐ میں لگے رہتے ہیں تو وہاں کیسی گیارہویں کیسی بارہویں؟ بڑے پیر کے گیارہویں کے متعلق بھی کچھ بیان کرتا مگر چونکہ اب وقت تنگ ہے اس لئے پھر کبھی دیکھا جاویگا۔ دوسرے مولود پر قیاس کر سکتے ہیں تو یہ لوگ ہر وقت ذکر رسولؐ میں لگے رہتے ہیں کیونکہ جتنے احکام شریعت کے ہیں سب جناب رسول مقبول ﷺ کے فرمائے ہوئے ہیں ہر ایک کا ذکر رسولؐ ہی کا ذکر ہے اور پھر کبھی جی نہیں بھرتا۔

دل آرام در بردل آرام جو لب از تشنگی خشک و بر طرفِ جو

(محبوب پہلو میں بیٹھا ہے اور محبوب کو ڈھونڈھ رہے ہیں نہر کے کنارے پر ہیں اور ہونٹ پیاس سے سوکھے ہوئے ہیں۔)

نہ گوئم کہ بر آب قادر نیند کہ بر ساحلِ نیل مستسقیند

(ہم یہ تو نہیں کہتے کہ پانی پر ان کو قدرت نہیں بلکہ دریائے نیل کے کنارے پر جلندھر کے بیمار کی طرح مریض ہیں۔)

اُن کا جی تو کبھی رسول اللہ ﷺ سے بھر نہیں سکتا ہے، مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ سے کسی نے پوچھا کہ ذکر مولد کیسا ہے آپ نے فرمایا کہ ہم تو ہر وقت کرتے ہیں پوچھا یہ کیسے فرمایا " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ "اگر محمد رسول اللہ ﷺ

پیدا نہ ہوتے تو کلمہ کیسے پڑھتے لوگوں نے یہ روایت سُن لی ہے کہ ابولہب کی ایک لونڈی نے ابولہب کو پیدائش رسول مقبول ﷺ کی خبر دی تو اس نے خوش ہو کر اسے آزاد کر دیا اس کی وجہ سے اس کے عذاب میں تخفیف ہوگئی۔ میں کہتا ہوں دیکھو بدون ایمان واطاعت فرحت(۱) کافی تو نہ ہوئی۔ اسی طرح تبرکات کی زیارت مثلاً موئے مبارک کہ وہ بھی خاص اسی مہینے میں نکالا جاتا ہے۔ تبرکات کے برکات اور ان کی تعظیم میں کوئی شک وشبہ نہیں مگر اس کی خرابیوں کو کیا کیا جاوے۔ مثلاً عورتیں جمع ہوتی ہیں ایک ہجوم ہوتا ہے نماز کی بھی کسی کو فکر نہیں ہوتی۔ کیا نماز ذکر رسول اللہ ﷺ نہیں، روزہ ذکر رسول اللہ ﷺ نہیں سب ذکر رسول اللہ ﷺ ہے اور مقدم ہے کیونکہ فرمایا ہوا ہے جناب رسول مقبول ﷺ کا ہے

ع عباراتنا شتی وحسنك واحد

(عنوانات مختلف ہیں مضمون ایک ہی حسن ہے)

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش من انداز قدت رامی شناسم

(یعنی جس رنگ کا جوڑا چاہو پہن لو ہم تمہارے پاؤں کی رفتار اور قد کے انداز سے پہچان لیں گے)

جتنے احکام جناب رسول اللہ ﷺ کے فرمائے ہوئے ہیں ان کا بجالانا آپ ہی کا ذکر کرنا ہے خواہ وہ صوم(۲) کی صورت میں ہو یا صلوٰۃ کی خواہ حج کی صورت میں ہو یا زکوٰۃ کی۔

بدعات سے منع کرنے کی وجہ

صاحبو! بات یہ ہے کہ لوگوں نے مولود شریف تو اپنی طرف سے مخترع(۳) کیا

(۱) بغیر ایمان اور آپ کی فرمانبرداری کے صرف آپ کی ولادت پر خوش ہونا اس کی نجات کیلئے کافی نہ ہوا (۲) روزہ (۳) گھڑ لیا۔

اور غضب یہ کیا کہ اس کا نام عیدا کبر رکھا۔ غضب کی بات ہے کہ رسول مقبول ﷺ تو فرماتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو عیدیں دی ہیں اور انہوں نے تیسری اور ایجاد کر دی اچھا خاصہ معارضہ(۱) ہو گیا۔ جناب رسول مقبول ﷺ سے اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ اس میں شوکت اسلام کی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے تعزیرات ہند کی سزاؤں کو چھاپتے وقت مضاعف(۲) کر دیا کہ جس جرم میں چھ مہینے کی قید تھی وہاں برس روز لکھ دیا اور باز پرس ہونے پر یہ جواب دیدیا کہ کیا حرج ہے۔ اس میں گورنمنٹ کا رعب زیادہ ہوگا اور اس سے سلطنت میں استحکام(۳) ہوگا۔ اب بتلائیے اس نے جو سزاؤں میں اضافہ کیا مقبول ہوگا یا، مردود ہوگا؟ بلکہ اس شخص پر مقدمہ قائم ہو جائے گا کہ تم اپنے کو شریک سلطنت سمجھتے ہو کہ قانون وضع(۴) کرتے ہو بس تو پھر اگر کوئی احکام شریعت میں کچھ اضافہ کرے یا بدل دے تو وہ مجرم ہے یا نہیں؟

صاحبو! یہ "شرك فی النبوة" (نبوت میں شریک کرنا) ہے کیونکہ ایسی مصلحتوں کو دیکھنا نبی کا کام ہے یہ وجہ ہے اس کے جرم ہونے کی۔ اب تو قانونی نظیر(۵) سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اس لئے بدعات سے منع کیا جاتا ہے کہ یہ شرك فی النبوة (نبوت میں شریک کرنا) ہے۔ شیطان بدعت سے بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ یہ سمجھتا ہے کہ گناہ جو شخص کرتا ہے اس کو گناہ تو سمجھتا ہے مگر بدعت کو تو دین سمجھ کر کرتا ہے اور عمر بھر مبتلا رہتا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "اليوم اكملت لكم دينكم الخ" (ہم نے آج تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا) تو ایک یہودی کہنے لگا کہ ہم پر یہ آیت نازل ہوتی تو ہم تو اس دن میں عید مناتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کچھ دیوانہ ہوا ہے ہمیں عید علیحدہ منانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو خود عید کا دن

(۱) ٹکراؤ (۲) اضافہ کر دیا (۳) مضبوطی (۴) قانون بناتے ہو (۵) ایک قانونی مثال ہے۔

ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو یوم عرفہ تھا سب عرفات میں تھے۔ اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ حضور ﷺ یوم دوشنبہ(۱) میں روزہ رکھتے تھے صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اس دن میں روزہ کیوں رکھتے ہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ذلک الیوم الذی ولدت فیہ" یعنی یہ وہ دن ہے جس میں میں پیدا ہوا ہوں تو جب ایک عبادت یعنی روزہ رکھنا یوم ولادت ہونے کی وجہ سے حضور ﷺ سے ثابت ہے تو ہم عبادت پر دوسری عبادتوں کو بھی قیاس کر کے اسی سے ثابت کر سکتے ہیں ہمیں اس میں کلام(۲) ہے کہ روزہ اس لئے رکھا تھا کہ یہ یوم ولادت ہے ممکن ہے روزہ اس لئے رکھا ہو کہ وہ پہلے سے یوم الفضیلۃ(۳) ہے اور یوم ولادت ہونا اسی فضیلت کے سبب تجویز کیا گیا ہے اور اس پر کہ روزہ کا سبب اسی یوم کا کسی دوسری وجہ سے افضل ہونا ہے۔ ایک دلیل بھی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس روز میں نامۂ اعمال پیش ہوتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل روزہ کی حالت میں پیش ہو تو معلوم ہوا کہ یوم دوشنبہ(۴) پہلے سے ذی فضیلت(۵) ہے اور اسی وجہ سے اس میں آپ کی ولادت بھی متحقق ہوئی جیسے دسویں محرم کی کہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی لیکن وہ دن شہادت کی وجہ سے افضل نہیں ہوا بلکہ اس کے ذی فضیلت(۶) ہونے کی وجہ سے اس میں آپ کی شہادت ہوئی اور اگر ثابت بھی ہو جائے کہ فضیلت اسی وجہ سے ہے تو زیادہ سے زیادہ اسی قدر تم بھی کر لو جو حضور ﷺ سے ثابت ہے۔ اور اگر قیاس ایسا ہی عام ہے تو چاہئے کہ مکہ والے ہر دوشنبہ کو حج کر لیا کریں کہ جب روزہ ثابت ہے حج کو بھی قیاس کر لیں۔ حضرات قیاس کرنا آپ کا کام نہیں ہے اگر قیاس

---

(۱) سوموار (۲) اعتراض ہے (۳) خیر و برکت کا دن ہے (۴) پیر کا دن (۵) پہلے سے باعث فضیلت ہے (۷) قابل احترام۔

ایسا سستا ہے تو غیر مقلدوں کو ہرگز برا نہ کہو غیر مقلد صرف اسی کو نہیں کہتے جو اپنے کو غیر مقلد کہے بلکہ آج بلا ضرورت شرعیہ جو لوگ قرآن و حدیث سے استخراج(۱) کی کوشش کرتے ہیں یہ سب غیر مقلد ہیں اور لطف یہ کہ سب سے زیادہ یہی لوگ غیر مقلدوں کے دشمن ہیں۔

غرض جو شخص اعمال ظاہرہ کے اثبات میں کذا فی الہدایہ (اسی طرح ہدایہ میں ہے) و کذا فی الدر المختار (ایسے ہی درمختار میں ہے) نہ کہے وہ غیر مقلد ہے۔ خیر غرض یہ کہ یہ عجیب سلسلہ ہے کہ بارہ مہینوں میں سے چھ مہینوں کے متعلق کچھ احکام ہیں اور چھ کے متعلق کوئی حکم نہیں مجھے اس کا بیان کرنا مقصود تھا کہ رجب کے متعلق بتلادوں کہ کوئی خاص حکم نہیں لوگ ۲۷ رجب کو روزہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس روزہ کا نام ہزاری روزہ رکھا ہے یعنی ہزار روزوں کا ثواب اس ایک روزہ کے رکھنے سے ملتا ہے اس دن میں روزہ ہی ثابت نہیں تو ہزار روزوں کا ثواب کدھر سے ثابت ہوا؟ اور اگر کوئی اس واسطے رکھے کہ اس تاریخ کی شب میں حضور ﷺ کو معراج ہوئی ہے تو بات یہ ہے کہ جب حضور ﷺ نے خود روزہ نہیں رکھا تو یہ کیوں رکھتے ہیں؟ دوسرے یہ کہ اس نفل روزہ کے ثواب کو اتنا بڑھانا جو فرض سے بھی بڑھ جائے اور پھر اپنی رائے سے، شرک فی النبوۃ(۲) ہے۔ شاید کوئی کہے کہ اس باب میں روایات ہیں تو خوب سمجھ لو وہ سب روایات غیر ثابت ہیں۔ علماء نے اس کی سند میں کلام کیا ہے۔

---

(۱) مسائل نکالنے کی کوشش کرتے ہیں (۲) اپنی رائے سے بلا دلیل شرعی ایک ہزار روزوں کا ثواب کہنا یہ نبوت میں خود کو شریک کرنے کے برابر ہے۔

شب قدر مختلف ممالک میں مختلف ہوتی ہے

اس تقریر سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ بعض اوقات کو دخل ہے بعض احکام میں کہ وہ احکام مختص ہوتے ہیں انہیں اوقات کے ساتھ۔ اگر کوئی اختصاص(۱) پر یہ شبہ کرے کہ شب قدر تو ایک مرتبہ ہوتی ہے اور ایک ہی ہوتی ہے اور اوقات میں ہے تفاوت مثلاً کہیں آفتاب ایک گھنٹہ پہلے غروب ہوتا ہے کہیں دو گھنٹہ پہلے حتی کہ چھ چھ گھنٹہ کا بلکہ اس سے بھی زیادہ کا فرق ہو جاتا ہے تو اس حالت میں بعض جگہ رات ہوگی اور بعض جگہ دن اور شب قدر رات کے ساتھ مختص ہے اور ایک ہی ہے تو جہاں رات ہے وہاں تو شب قدر ہو جائے گی اور جہاں دن ہے وہاں ہو ہی نہیں سکتی۔ جواب یہ ہے کہ اس کا وقت ہر جگہ کے لئے جدا جدا ہے۔ مثلاً عدالت کے کھلنے کا وقت دس بجے ہے تو ہر جگہ کے دس بجے وہاں کی عدالت کھلے گی کلکتہ میں وہاں کے ٹائم سے اور لندن میں وہاں کے ٹائم سے۔

انسان کا نظام الاوقات

غرض یہ کہ انسان کا نظام الاوقات یہ ہوا کہ اپنے اوقات کو دیکھے کہ کس وقت میں کیا حکم ہے جو وقت آتا ہے اپنے ساتھ ایک حکم لاتا ہے۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(یعنی حق تعالیٰ سے ایک پل بھی غافل نہ ہو ممکن ہے کہ کسی وقت وہ تم پر توجہ فرمائیں اور تم بے خبر ہو)

انسان کو چاہئے کہ ایک لحہ بھی غافل نہ رہے اس پر کسی طالب علم کو شبہ ہوگا

(۱) اگر کوئی شبہ کرے کہ جب بعض احکام بعض اوقات کے ساتھ مخصوص ہیں تو مثلاً شب قدر ستائیسویں شب کے ساتھ خاص ہے تو اس وقت بعض ممالک میں دن ہوگا وہاں شب قدر کیسے ہوگی؟

کہ قرآن مجید میں ہے " یایھا الذین اٰمنوا اذکروا اللہ ذکراً کثیراً وسبحوہ بکرۃً واصیلًا " ☆

(یعنی اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح وتقدیس کرتے رہو۔)

اس میں تو صبح وشام ذکر کرنے کو بتلایا ہے نہ کہ ہر لحظہ(۱) تو اس کے معنی ہیں صرف صبح وشام ذکر کرو اور باقی اوقات میں خالی رہو بلکہ محاورہ ہے کہ جس کام کو ہر وقت کرانا مقصود ہوتا ہے تو کہتے ہیں رات دن کرتے رہو۔ ذکر ضدین سے مقصود(۲) استیعاب اس جنس کا ہوتا ہے۔ اور ذکر صرف یہی نہیں ہے کہ بس تھوڑی دیر اللہ اللہ کرلیا بلکہ " لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ " (یعنی زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو بلاشبہ وہ بڑی بے حیائی ہے) پر عمل کرنا بھی ذکر ہے کیونکہ یہ بھی فرمایا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا اور اس پر عمل کرنے کے لئے یہ سمجھو کہ " لا تقربوا " کے معنی ہیں یہ کہ زنا کرنا تو بہت بڑی بات ہے تم اس کے پاس بھی نہ پھٹکو(۳) یعنی جو چیزیں دواعی(۴) زنا ہیں ان کی طرف بھی متوجہ نہ ہو مثلاً نگاہ کو بھی ادھر متوجہ نہ کرو قلب کو بھی ادھر متوجہ نہ کرو اسی طرح ہر وقت اس وقت کے احکام عامہ وخاصہ(۵) کا اہتمام رکھو۔ اس پروگرام کے منضبط ہوجانے کے بعد اب بتلایئے کہ غیبت کا کونسا وقت ہے۔ جھوٹ بولنے کا کون سا وقت ہے، ہارمونیم بجانے کا کونسا وقت ہے گراموفون سننے کا کون سا وقت ہے؟

---

(۱) نہ کہ ہر وقت (۲) وضدوں کو ذکر کرنے سے مقصود اس جنس کا احاطہ ہوتا ہے جیسے یہاں رات دن دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ان کے ذکر سے مقصود یہ کہ جنس اوقات کو ذکر میں صرف کرو (۳) قریب مت جاؤ (۴) زنا کا تقاضا پیدا کرنے والی (۵) شریعت نے جس وقت کیلئے جو حکم دیا ہے خواہ وہ عام ہے یا خاص اس کا خیال رکھو۔

شریعت تنگ نہیں

ہاں البتہ شریعت تنگ نہیں ہے۔ اجازت ہے کہ ورزش کیجئے اجازت ہے کہ ہنسئے بولئے بات کیجئے۔ یہاں تک اجازت ہے کہ وظیفہ پڑھتے پڑھتے تھک جاؤ تو چھوڑ دو، باہر بیٹھ کر ہنس بول لو مگر کوئی ناجائز بات مت کرو۔ شریعت میں یہ تعلیم نہیں کہ بیوی کو طلاق دیدو بچوں کو عاق کردو اور بس ایک کونہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے لگو۔ ایک صاحب قنوج میں کہنے لگے شریعت کا خلاصہ یہ ہے کہ خوشی کی بات پر خوش نہ ہو۔ رنج کی بات پر رنج نہ کرو۔ ''استغفر اللہ'' شریعت بھلا ایسی کیوں ہوتی اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ کسی صاحب نے کہا کہ صاحب جج بڑے خلیق ہیں۔ اس کے بعد ایک شخص گیا ملنے کے لئے عدالت میں اور اتفاق سے اس وقت صاحب جج کسی خونی کو پھانسی کا حکم سُنا رہے تھے بس یہ بھاگا وہاں سے۔ پوچھا ملے تھے۔ کہا ہاں پوچھا پھر کیا ہوا، کہا کہ صاحب ہم باز آئے ایسی خوش خلقی سے وہ تو پھانسی کا حکم سُنا رہے تھے اگر بدخلق ہوتے تو نہ معلوم کیا کرتے۔

اس نے کہا ارے دیوانے صاحب جج کو اس کے بنگلہ پر جا کر دیکھ کہ وہ کیسے خلیق ہیں۔ احکام شرعیہ کی نسبت تو یہ کہنا بے تکلف صحیح ہے۔

بہارِ عالمِ حسنش دل وجاں تازہ میدارد برنگ اصحاب صورت را ببوار باب معنی را

(اس کے عالم حسن کی بہار دل وجان کو تازہ رکھتی ہے ظاہر پرستوں کے دل وجان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل وجان کو بُو سے)

شریعت کو ذرا غور سے دیکھو کہ کیسی شفیق ہے شریعت یہ نہیں سکھاتی کہ ایک حجرہ میں دروازہ بند کر کے بیٹھ جاؤ، ایک شخص تھے صحابہ میں سے کہ وہ کبھی نہ ہنستے تھے اور نہ کبھی بولتے تھے تو کسی شخص نے حضرت عائشہؓ کے سامنے کہا "فلان جد کله" یعنی فلاں شخص بڑا متین ہے تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں " هو هزل كله "یعنی وہ ہزل محض ہے۔

معیارِ بزرگی

آج کل بزرگی اس کو سمجھا جاتا ہے کہ بس منہ پھلا کر ایک کونے میں بیٹھ گئے نہ کسی سے بولنا نہ کسی سے چالنا۔ کبھی تیوری کے بل ہی نہیں اُترتے(۱) یہ بزرگی ہے، ہرگز نہیں بزرگی تو وہ ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی سی شان پیدا ہو۔

حدیث میں آیا ہے کہ جناب رسول مقبول ﷺ فجر کی نماز پڑھ کر بیٹھ جایا کرتے اس میں اِدھر کی اُدھر کی باتیں ہوا کرتی تھیں یہ نہیں تھا کہ منہ پھلا کر ایک کونہ میں بیٹھ جاتے تھے۔

بزہد و ورع کوش وصدق وصفا　　ولیکن میفزائے بر مصطفےٰ ﷺ

(زہد و تقویٰ اور صدق وصفا میں کوشش کرو لیکن رسول اللہ ﷺ سے آگے مت بڑھو۔)

تقویٰ اختیار کرو مگر نہ اتنا کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے بڑھ جائے۔ ایک مرتبہ صحابہؓ کے مجمع میں سے ایک صحابیؓ سب کو ہنسا رہے تھے جو جناب رسول مقبول ﷺ نے آ کر ان کے پہلو میں مزاحاً(۲) انگلی چبھو دی، انہوں نے کہا کہ میں تو آپؐ سے بدلہ لوں گا۔ آپ نے مجھے کیوں مارا؟ آپؐ نے فرمایا بدلہ لے لو انہوں نے کہا کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہ تھا آپ بھی کرتہ اتاریئے، آپؐ نے کرتہ اتار دیا بس پھر کیا تھا انہوں نے بوسہ دیا اور لپٹ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میرا مطلب یہ تھا بس وہ پورا ہو گیا۔ اور معاذ اللہ بھلا میں آپؐ سے بدلہ لیتا۔ غرض بہت سی روایات ہیں جن سے جناب رسول مقبول ﷺ کا مزاح کرنا ثابت ہے اور گوشہ نشینی جو اس قدر غلو کے ساتھ ہو کہیں نہیں ثابت۔ جو لوگ ایسے بزرگ ہوں وہ بزرگ نہیں بلکہ بُزرَگ (بضم اول وسکون ثانی وفتح ثالث وسکون رابع) یعنی حروف میں تو برابر ہیں اور معنی اور ہیں۔ سبحان اللہ ہمارے حضرات میں یہی خوبی ہے بالکل سنت کے موافق عمل ہے پھر لوگ بدنام کرتے ہیں خیر اس کا انصاف تو قیامت کے حوالہ ہے

(۱) پیشانی کے بل نہیں جاتے (۲) مذاقاً۔

غرض شریعت نے جس طور پر انضباط(۱) اوقات کردیا ہے اس میں نہ افراط کرو نہ تفریط(۲) ضبط اوقات(۳) میں تجربہ کیا ہوگا کہ قلب میں فرحت زیادہ ہوتی ہے جو لوگ برکات شریعہ کو محسوس کرتے ہیں ان کا کیا کہنا وہ لوگ بھی جو صرف ضابطہ کی پابندی کرتے ہیں اپنے ٹھیک وقت پر نماز سے فراغت کر لینے پر اپنے قلوب میں فرحت کو محسوس کرتے ہیں۔

صاحبو! وقت کی قدر کرنا چاہئے۔ بحمد اللہ وقت کے متعلق بہت ضروری مضامین بیان ہو گئے اب وقت تنگ ہے صرف ایک حکایت پر وعظ ختم کرتا ہوں۔

حکایت

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ ایک برف فروش(۴) سے مجھ کو بہت عبرت ہوئی وہ کہتا جارہا تھا کہ اے لوگو! مجھ پر رحم کرو کہ میرے پاس ایسا سرمایہ ہے کہ ہر لحہ تھوڑا تھوڑا ختم ہو جاتا ہے۔اسی طرح کی ہماری بھی حالت ہے کہ زندگی ہر لحہ برف کی طرح تھوڑی تھوڑی ختم ہو جاتی ہے۔اسے گھلنے سے پہلے بیچنے کی فکر کرو کسی کے ہاتھ؟ جس نے فرمایا " ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم الخ "(۵) (یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو اس بات کے عوض میں خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملے گی) اور اس عمر کو ضائع مت کرو۔

عمر عزیز قابل سوز و گداز نیست ایں رشتہ را مسوز کہ چندیں دراز نیست

(پیاری عمر ضائع و برباد کرنے کے لائق نہیں اس کو ضائع مت کرو اس کا سلسلہ اتنا دراز نہیں کہ اس کو فضولیات میں برباد کیا جائے۔)

بس اب میں وعظ کو ختم کر چکا اب اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم کو فہم عطا کرے اور عمل کی توفیق دے۔(آمین)(۶)

---

(۱) اوقات کا پابند کیا ہے (۲) یہ کمی کرو نہ زیادتی (۳) اوقات میں کمی پابندی میں دل میں خوشی زیادہ ہوتی ہے (۴) برف بیچنے والا (۵) سورۃ التوبہ (۶) اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے۔ طلیل احمد تھانوی ۱۳ شعبان ۱۴۲۳ھ